بشریت انبیاء

حضرات انبیاء کے مرتبہ بشریت کی تحقیق و تفصیل

قرآن مجید کی روشنی میں

از

عبدالماجد دریابادی

صاحب تفسیر القرآن (انگریزی و اردو) مصنف اعلام القرآن جغرافیہ قرآنی وغیرہ

مدیر صدق جدید لکھنؤ

قیمت ۸۴/

بشریت انبیاء

حضرات انبیاء کے مرتبۂ بشریت کی تحقیق و تفصیل

قرآن مجید کی روشنی میں

از

عبدالماجد دریابادی

صاحب تفسیر القرآن (انگریزی و اردو) مصنف اعلام القرآن، جغرافیہ قرآنی وغیرہ

مدیر صدق جدید لکھنؤ

قیمت ۱۲ر

ملنے کا پتہ

۱

صدق جدید بک ایجنسی کچہری روڈ لکھنؤ

۲

دار المصنفین شبلی منزل اعظم گڈھ

مطبوعہ

یونائیٹڈ انڈیا پریس نظیر آباد لکھنؤ

قیمت

دو روپیہ ۲۵ نئے پیسے (عہ)

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

حضرات انبیاء کے فضائل و مناقب پر اتنا زیادہ لکھا جا چکا ہے کہ
اب اس پر اضافہ کی بظاہر کوئی شکل نظر نہیں آتی۔ بلکہ اکثر پچھلوں نے
تو محض اگلوں کی تحریروں کو دہرا دینے کو کافی سمجھ لیا ہے۔

یہ سلسلے اتنی بڑھی کہ مسئلہ کے دوسرے رخ پر پردے پڑ گئے۔ اور قرآن مجید
نے توحید باری کے خالص و بے آمیزش رکھنے پر جو اتنا زور دیا ہے، وہ
پہلو نظروں سے غائب ہی ہو گیا۔ اور دلوں میں عقیدہ کچھ ایسا قائم ہونے لگا
کہ جیسے حضرات انبیاء، حدود بشریت سے متجاوز ہو کر اگر مرتبہ الوہیت
پر فائز نہ بھی تھے، جب بھی قریب بہ الوہیت تو ضرور پہنچ گئے تھے ____
اور خیر حضرات انبیاء کا درجہ تو پھر بلند ہے، خوش عقیدگی کے غلو میں ہر
ولی، ہر صدیق، ہر بزرگ کو بشری تقاضوں سے ماوراء تصور کیا جانے لگا۔
گویا وہ اس کی چیز ہی نہیں، کہ بھوک پیاس انہیں ستائے، گرمی سردی
سے متاثر ہوں، کسی پر غصہ کریں، کسی سے ڈریں یا گھبرائیں۔ اور اگر

بھی اُن کے احاطۂ علم سے باہر ہو۔

اِس قسم کے عقائد شریعتِ اسلامی اور قرآن مجید کی صحیح تعلیمات کے یکسر منافی ہیں اور دلوں میں ربّ العزت کی جو عظمت قائم ہونا چاہیئے اس میں مخل قرآن مجید نے حضرات انبیاء کو، اکابر انبیاء کو، محض بشر بنا کر پیش کیا ہے اور اُن کی بشریت کے ایک ایک جزئیہ کو نمایاں کیا ہے۔ اس عاجز نے جب دیکھا کہ بڑے بڑے اہل علم اس مسئلہ میں خاموش ہیں، اور غلط عقیدوں کے طومار طومار لگتے چلے جا رہے ہیں، تو اپنی بے بضاعتی کے پورے احساس کے باوجود خود ہی اس موضوع پر قلم اٹھانے کی جُرأت کی، اور چند باب قائم کرکے ان کے ماتحت قرآنی تصریحات اس بارے میں نقل کر دیں۔ اللہ اس کے صحیح حصے کو خلق کے حق میں نافع اور اُن کے درمیان مقبول بنائے۔ اور جو حصہ بندہ کی خطا و کج فہمی سے شامل ہو گیا ہو، اُس سے درگزر فرمائے۔

مضمون کی نوعیت ایسی ہے کہ ایک ہی آیت کی تکرار مختلف عنوانوں کے ماتحت بعض اوقات ناگزیر ہو گئی ہے۔

دریاباد، بارہ بنکی
جولائی سنہ ۱۹۵۹ء
محرم سنہ ۱۳۷۹ھ

عبد الماجد

عبدیت، بشریت، مسئولیت

مُشرک قوموں کو بڑی اور اصلی ٹھوکر قبولِ رسالت کی راہ میں، انبیاء کی بشریت ہی سے لگی ہے۔ وہ اوتار یا مظہرِ خدا کا عقیدہ تو سمجھ سکتے تھے اس مظہرِ خدا کی پرستش بھی ان کی سمجھ میں آجاتی تھی۔ لیکن یہ ماننے یا سمجھنے کو کسی طرح تیار نہ ہوتے تھے کہ کسی انسان کو ہادی یا رہبر تو کہا جائے، لیکن پرستش و عبودیت صرف ایک، اَن دیکھے خالق و پروردگار کا حق محفوظ رہے۔ "مسیح اگر سچے ہیں، اور اُن پر ایمان لانا واجب ہے تو بس عبادت کے بھی حقدار وہی ٹھہرے" یہ اُلٹی منطق اُن کے دماغ کے رگ و ریشے میں پیوست کئے ہوئے تھی۔ قرآن مجید نے اس عقیدہ پر ضرب بار بار اور مختلف پیرایوں میں لگائی۔

کہیں یوں ارشاد ہوا کہ:-

(۱) ما کان لبشر ان یوتیه اللہ الکتب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عباداً لی من دون اللہ (آل عمران، ع ۸)

کسی بشر کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ تو اُسے کتاب اور فہم اور نبوت عطا کرے اور وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ تم میرے بندے بن جاؤ اللہ کو چھوڑ کر۔

اور کہیں یوں ارشاد ہوا کہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ اللہ مرسلین و ملائکہ کی عبادت کا حکم دے۔ یہ تو صاف تعلیم کفر کی ہوئی۔

(۲) ولا یامرکم ان تتخذوا الملٰئکۃ والنبیین ارباباً ایامرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون (آل عمران، ع ۸)

اللہ تمھیں یہ حکم نہیں دیتا کہ تم فرشتوں اور پیمبروں کو پروردگار ماننے لگو۔ کیا وہ تمھیں حکم کفر کا دے گا، بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو؟

بشریت، اس مشرکانہ منطق میں، منافی تھی رسالت و نبوت کے۔ وہ ہادی ہو کیونکر سکتا ہے، جو بشر ہے؛ طنز و تعریض کے ساتھ، ہر دور کے مشرکین، یہی سوال بار بار پیش کرتے رہے ہیں ـــــ قرآن مجید نے بھی یہ حکایت دہرا دہرا کر نقل کی ہے۔

(۳) ذلک بانہ کانت تاتیھم رسلھم بالبینت فقالوا ابشر یھدوننا (التغابن، ع ۱)

یہ (عذاب الٰہی) اس لئے ہوا کہ اُن کے پاس اُن کے پیمبر کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے تھے تو یہ (بطریق استبعاد و انکار) کہتے تھے کہ کیا ہماری ہدایت کوئی بشر (محض) کرے گا۔

یہ اپنے پیمبروں کے منہ پر کہتے، کہ تم ہی کیا ہو، بجز اس کے ایک ہمارے ہی جیسے بشر ہو (اور بشر بھی کہیں بشر کا ہادی ہو سکتا ہے؟)

(۴) قالوا ان انتم الا بشر مثلنا — تم اور ہو کیا، سوا اس کے کہ ہم ہی جیسے ایک بشر ہو۔ (ابراہیم ع ۲)

(۵) قالوا ما انتم الا بشر مثلنا — تم اور ہو کیا، سوا اس کے کہ ہم ہی جیسے ایک بشر ہو۔ (یٰس۔ ع ۲)

حضرت صالحؑ پیمبر برحق ہوئے ہیں، اُن سے کہا۔

(۶) ما انت الا بشر مثلنا (شعراء ع) — تم بس ہم جیسے ایک بشر ہی تو ہو،

اور اسی گستاخانہ لہجے میں دوسرے پیمبر برحق حضرت شعیبؑ سے بولے۔

(۷) وما انت الا بشر مثلنا (الشعراء ع) — اور تم ہم جیسے ایک بشر ہی تو ہو۔

اور جب سامنے کہنے میں یہ دیدہ دلیری تھی، تو پیچھے کہنے میں کیا باک ہو سکتا تھا، ایک دوسرے سے کہتے؛

(۸) ابعث اللہ بشرا رسولا — کیا خدا نے رسول بنا کر ایک بشر کو بھیجا ہے؟ (بنی اسرائیل۔ ع ۱۱)

اور کہیں یوں آپس میں چرچے کرتے۔

(۹) ھل ھذا الا بشر مثلکم — یہ (مدعی نبوت) بس ایک بشر ہی تو ہیں، تم ہی جیسے۔ (الانبیاء۔ ع ۱)

نوحؑ جیسے پیمبر جلیل القدر کی یوں آپس میں ہنسی اڑا رہے تھے۔

(۱۰) ماھذا الا بشر مثلکم یرید ان یتفضل علیکم ۔ (المومنون ع ۲)
یہ شخص تو بس ایک بشر ہے تم ہی جیسا چاہتا یہ ہے کہ تم سے برتر ہو کر رہے۔

حضرت نوحؑ کے بعد ایک اور پیغمبر برحق آئے۔ اُن بیچارے کی یوں خرابی لگائی گئی۔

(۱۱) ماھذا الا بشر مثلکم یاکل مما تاکلون منہ ویشرب مما تشربون ۰ ولئن اطعتم بشرا مثلکم انکم اذا لخسرون (المومنون۔ ع ۳)
بس یہ تو ایک بشر ہیں تم ہی جیسے۔ کھاتے وہی ہیں جو تم کھاتے ہو اور پیتے وہی ہیں جو تم پیتے ہو۔ اور اگر کہیں تم اپنے ہی جیسے ایک بشر کے پیچھے چلنے لگے تو تم تو (بالکل ہی) گھاٹے میں آ گئے!

پھر جب سیکڑوں ہزاروں برس بعد حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ پیمبری کا نشان لے کر پہنچے تو فرعون اور فرعونیوں کو قبولِ حق کی راہ میں بڑی دشواری انہی اعیانِ حق کی بشریت ہی نظر آئی۔

(۱۲) فقالوا انومن لبشرین مثلنا وقومھما لنا عٰبدون۔ (المومنون۔ ع ۳)
وہ بولے، کیا ہم ان دونوں پر ایمان لے آئیں جو ہم ہی جیسے بشر ہیں۔ درآنحالیکہ اُن کی قوم ہماری محکوم ہے!

اس سارے طعن و تعریض، تکذیب و انکار، تمسخر و استہزار کے جواب میں یہ کبھی ایک بار بھی نہ ہوا، کہ اُدھر سے اصل حقیقت کے اظہار میں کچھ بھی ضعف آیا ہو، یا بشریت انبیاء کے مرکزی اور کلیدی عقیدت میں کہیں سے کچھ بھی کمزوری پیدا ہونے پائی ہو، بلکہ پیمبروں کی زبان سے

صاف صاف اور دھڑلے سے کہلایا گیا، کہ بیشک ہم بشر ہی ہیں، اور تم ہی جیسے بشر۔

(۱۳) قالت لهم رسلهم ان نحن الا بشر مثلکم۔ (ابراہیم۔ ع ۲)	ان کے پیمبروں نے اُن سے کہا کہ بیشک ہم بشر ہی ہیں، تم ہی جیسے۔

سرورِ انبیا، کو ارشاد خصوصی اس کا ہوا ہے کہ اپنی بشریت کا اعلان کرتے رہیں۔

(۱۴) قل سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا۔ (بنی اسرائیل۔ ع ۱۰)	آپ کہہ دیجئے، کہ سبحان اللہ، میں بجز اس کے اور ہوں کیا، کہ بشر ہوں، رسول ہوں۔

دوسری بار، اور تیسری بار ایسا ہی تصریحی اعلان بشریت کا حکم ملا

(۱۵) قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ (الکہف ع ۱۲)	آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم ہی جیسا ایک بشر ہوں، بس فرق یہ ہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے۔
(۱۶) ایضاً (حٰمٓ السجدہ ع ۱)	(ایضاً)

وصف بشریت ہی سے ملا ہوا ایک پہلو وصف عبدیت کا ہے۔ مشرکوں کی سمجھ میں یہ عبدیت کا پہلو بھی کبھی نہیں آیا۔ ہر بزرگ یا مقدس ہستی، اُن کے خیال میں، بہرحال فوق البشر ہوگی۔ اور جب فوق البشر ہوگی۔ تو عبد محض کیسے ہو سکتی ہے؟ لامحالہ یا تو خدا ہوگی۔ یا نیم خدا، دیوتا یا دیوی۔ اور اس حیثیت سے خالق یا ناظر نہ سہی،

لیکن کسی درجہ میں معبود و حاجت روا تو ضرور ہی ہو گی قرآن مجید نے مشرکانہ منطق کے اس مغالطہ کی تردید قدم قدم پر کی ہے، اور پیمبروں کی عبدیت کا اثبات شدومد سے کیا ہے۔

سب سے زیادہ قوت و شدت کے ساتھ اعلان شاید حضرت مسیح کی عبدیت کا کیا گیا ہے، اور مسیحوں نے آپؑ کو بجائے عبد کے معبود کے درجہ پر رکھا ہے۔ اس لئے آپ کے نام کی تصریح اس سلسلہ میں اور ضروری تھی، ارشاد ہوا ہے:

(۱۷) لن یستنکف المسیح ان یکون عبداللہ (النساء ع ۲۳) — مسیح کو اس سے ذرا بھی عار نہیں کہ وہ اللہ کے عبد ہوں۔

اور مزید تاکید کے لئے اس وحدت کو خود آپؑ کی زبان سے دہرایا ہے۔ آپ نے شروع ہی میں اپنی زبان سے کہہ دیا:

(۱۸) انی عبداللہ اٰتنی الکتاب وجعلنی نبیا (مریم ع ۲) — میں تو اللہ کا عبد ہوں۔ اسی نے مجھ کو کتاب دی، اور اسی نے مجھے نبی بنایا۔

یہ اثبات عبدیت، دوسرے دوسرے پیمبروں کے حق میں بھی ان کے نام کے ساتھ ہے۔ چنانچہ حضرت زکریا کے سلسلہ میں ہے:

(۱۹) ذکر رحمت ربک عبدہ زکریا (مریم ع ۱) — یہ تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کی مہربانی کا اپنے عبد زکریا پر۔

اور نبی قدیم حضرت نوحؑ کے ذکر میں ان کا نام لینے کے بعد ہے۔

موصوف ہونے میں تینوں شریک۔

(۲۵) واذکر عبادنا ابراھیم واسحاق ویعقوب اولی الایدی والابصار (ص۔ ع ۴) — اور یاد کیجئے ہمارے عباد ابراہیم و اسحٰق و یعقوب کو جو بڑے قوت والے اور بڑے بصیرت والے تھے۔

یہ سب تذکرے دوسرے انبیاء کے تھے۔ سید الانبیاء کی عبدیت قرآن مجید نے اور زیادہ تکرار کے ساتھ بیان کی ہے۔

شروع ہی میں جہاں تعارف آپ کے سب سے بڑے معجزے قرآن مجید کا کیا ہے، وہاں آپ کا لقب کوئی اور نہیں، یہی "عبد" لایا گیا ہے۔

(۲۶) وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ (البقرۃ۔ ع ۳) — (اے منکرو) اگر تمہیں کچھ شک ہو اس (کتاب) کے بارے میں جو ہم نے اپنے عبد پر اتاری ہے تو تم بھی ایک سورت اسی کی سی لے آؤ۔

اس اعجاز قرآنی کے بعد آپ کا ایک دوسرا مشہور و نمایاں معجزہ سفر معراج کا ہے، اس سلسلہ میں آپ کی نسبت مع اللہ کا اظہار اسی وصف عبدیت ہی کے ساتھ کیا ہے۔

(۲۷) سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ (بنی اسرائیل ع ۱) — پاک ذات ہے وہ جو لے گیا راتوں رات اپنے عبد کو مسجد محترم سے دور والی مسجد تک۔

تیسری جگہ پھر محل لطف و عنایت پر آپؐ کے ذکر میں کفایت اسی وصف پر کی گئی ہے۔

(۲۸) تبارک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہٖ لیکون للعٰلمین نذیرًا (الفرقان، ع ۱) — عالی شان ذات ہے وہ جس نے یہ فیصلہ (کی کتاب) اپنے عبد پر نازل کی تاکہ وہ دنیا جہان کے لئے نذیر ہوں۔

چوتھی بار پھر موقع تخصیص پر ذکر مبارک اسی وصف عبدیت کے ساتھ ہے۔

(۲۹) الحمد للہ الذیٓ انزل علیٰ عبدہ الکتاب ولم یجعل لہٗ عوجًا (الکہف ع ۱) — ساری ستائش اس اللہ کے لئے ہے جس نے (یہ) کتاب نازل کی اپنے عبد پر اور اس میں ذرا بھی کجی نہیں رکھی۔

پانچواں موقع پھر اظہار کرم خصوصی کا ہے، اور وہاں بھی ذکر جمیل اسی عنوان سے ہے۔

(۳۰) ھوالذی ینزل علیٰ عبدہٖ ایٰتٍ بینٰتٍ لیخرجکم من الظلمٰت الی النور (الحدید، ع ۱) — وہ (اللہ) ایسا ہے جو اپنے عبد پر کھلی ہوئی آیتیں نازل کرتا ہے کہ وہ تم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آئے۔

یہ سارے مقامات وہ ہیں، جہاں بشریت (اور عبدیت) کا اطلاق حضرات انبیاء، خصوصًا سید الانبیاءؐ کی ذات پر صراحت کے ساتھ ہوا ہے لیکن ان کے علاوہ کثرت سے مقامات ایسے بھی ہیں، جہاں ان کے حق

میں وصفِ بشریت صراحۃً نہیں، دلالۃً یا تضمناً لایا گیا ہے یعنی ایسے عوارض بیان کر دیئے گئے ہیں، جو بشریت سے منفک نہیں ہو سکتے، بلکہ اس کے لوازم میں داخل ہیں۔

چنانچہ اہم ترین لوازم بشریت سے یہ ہے کہ انبیاء اس دنیا میں غیر فانی نہیں، فنا پذیر ہوتے ہیں، اور ان کے جسد کو ضرورت بدل ما یتحلل یا کھانے پینے کی برابر لگی رہتی ہے۔ اس کو یوں بیان فرمایا گیا ہے۔

(۳۱) وما جعلنٰهم جسدًا لا یاکلون الطعام وما کانوا خٰلدین (الانبیاء، ع ۱)	اور ہم نے (پیمبروں کے) جسم ایسے نہیں بنائے کہ وہ کھاتے پیتے نہ ہوں، اور نہ وہ (لوگ) ہمیشہ رہ جانے والے تھے۔

حضرات انبیاء یہی نہیں کہ عام انسانوں کی طرح فانی ہوتے ہیں، اور کھاتے پیتے رہتے ہیں، بلکہ بازاروں میں چلتے پھرتے بھی رہتے ہیں،

(۳۲) وما ارسلنا قبلک من المرسلین الا انهم لیاکلون الطعام ویمشون فی الاسواق (الفرقان، ع ۲)	اور ہم نے آپ سے قبل جتنے بھی رسول بھیجے سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے بھی تھے۔

صاحب اہل و عیال ہونا، اولاد کی طلب و تمنا دل میں ہونا، اس کی دعا کرنا، ازواج کے حق میں دعائے خیر کرنا، یہ سب اوصاف بشری ہیں، اور ان سب کا ذکر اسی کتاب میں ایک دوسرے عنوان کے ماتحت ملے گا ــــــ سن کا بڑھنا، کہولت میں ضعف جسمانی کا ظاہر ہونا، ضعیفی میں اولاد کی طرف سے مایوسی، یہ بھی سب بشریت ہی کے

عناصر ہیں اور ان کی تفصیل بھی اسی کتاب میں ایک مستقل عنوان کے ماتحت ملے گی۔

یہاں محض ضمناً دو تذکرے کافی ہوں گے۔ ایک مقام یہ ہے کہ فرشتے حضرت ابراہیمؑ کو فرزند صالح کی بشارت دیتے ہیں۔ آپ کی نظر اپنے سن پر جاتی ہے، اور ہر بشر کی طرح آپ بھی اس بشارت پر حیران رہ جاتے ہیں۔

(۳۳) قال ابشرتمونی علٰی ان مسنی الکبر فبم تبشرون (الحجر، ع ۴)	(ابراہیم نے) کہا کیا تم مجھے بشارت دیتے ہو اس حال میں کہ بڑھاپا مجھ پر آچکا ہے تو بشارت مجھے کاہے کی دیتے ہو۔

اسباب ظاہری پر نظر کر کے، پیرانہ سالی میں اولاد کی طرف سے مایوسی، خاصۂ بشریت ہے۔

دوسرا موقع یہ ہے کہ حضرت زکریا اپنے لئے اولاد کی دعا کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی اپنی پیرانہ سالی کے آثار و علامات کا بھی ذکر کرتے جاتے ہیں۔

(۳۴) رب انّی وھن العظم منّی واشتعل الراس شیبا (مریم، ع ۱)	اے میرے پروردگار میری ہڈیاں کمزور پڑ چکی ہیں اور (میرے) سر کے بالوں میں سفیدی پھیل پڑی ہے۔

پیرانہ سالی کے یہ آثار و علامات مقتضیات بشری ہی ہیں۔

عبدیت کے لوازم میں سے مسئولیت، عبودیت، اور مکلف باحکام شرع ہونا بھی ہے، اور پیمبر اس باب میں عام مومنین سے ذرا بھی ممتاز نہیں ہوتے۔

ابراہیم خلیلؑ کا جو مرتبہ پیمبروں میں ہے، معلوم و معروف ہے۔ اس پر بھی اُن سے پہلا مطالبہ اسلام ہی لانے کا ہوا۔ یہ نہیں ہوا کہ انہیں اس سے معاف و مستثنیٰ رکھا گیا ہو۔

(۳۵) اذ قال لہٗ ربّہٗ اسلم قال اسلمت لرب العٰلمین (البقرۃ۔ ع ۱۶)

یاد کرو وہ وقت جب ابراہیم سے اُن کے پروردگار نے کہا کہ اسلام لاؤ۔ بولے میں اسلام لے آیا پروردگار عالم پر'

ان کی آزمائشیں بھی ہوئیں۔ اور وہ ان میں پورے اُترے۔ یہ نہیں ہوا کہ وہ بلا امتحان رہے ہوں۔

(۳۶) واذ ابتلیٰ ابراھیم ربّہٗ بکلمٰت فاتمّھنّ۔ (البقرۃ ع ۱۵)

اور وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم کی آزمایش بعض باتوں میں اُن کے پروردگار نے کی، اور اُن میں پورے اُترے۔

بیت اللہ کی معماری کا کام انھوں نے اپنے فرزند اسمٰعیلؑ سے مل کر کیا ہے۔

(۳۷) واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل (البقرۃ ع ۱۵)

اور وہ وقت یاد کرو، جب ابراہیم اسمٰعیل کے ساتھ (مل کر)، بیت (اللہ) کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے۔

اور اس مخلصانہ طاعت و عبادت کے قبول کی دعا بھی کرتے جاتے تھے

(۳۸) ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم (البقرۃ ع ۱۵)

اے ہمارے پروردگار! اسے ہماری طرف سے قبول بھی کر تو تو ہی ہے بڑا سننے والا بڑا جاننے والا۔

اور مزید طاعت و عبادت کے خواستگار و حریص تھے۔

(۳۹) ربنا واجعلنا مسلمين لك.... وارنا مناسكنا وتب علينا انك انت التواب الرحيم (البقرۃ، ع ۱۵)

اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنا (اور زیادہ) فرماں بردار بنا لے.... اور ہم کو ہمارے حج کے احکام بتا دے، اور ہم پر رحمت سے توجہ فرما، بیشک تو تو ہی ہے بڑا توجہ فرمانے والا، بڑا رحم کرنے والا۔

اسی اسلام پر قائم رہنے کی وصیت ابراہیم خلیلؑ اپنے لڑکوں اور پوتے کو کر گئے۔

(۴۰) ووصى بها ابراهيم بنيه ويعقوب ط يبني ان الله اصطفى لكم الدين فلا تموتن الا وانتم مسلمون (البقرۃ، ع ۱۶)

اور اسی (توحید) کا حکم دے گئے ابراہیم اپنے بیٹوں کو اور (اپنے پوتے) یعقوب کو بھی، اے میرے بیٹو، اللہ نے اس دین کو تمہارے لئے منتخب کر لیا ہے سو تمہیں موت آئے تو صرف اسی حالت اسلام پر۔

خود یعقوب علیہ السلام بھی اسی دینِ توحید کی وصیت، بستر مرگ پر، اپنی نسل کو کر گئے۔

(۴۱) اذ قال لبنیه ما تعبدون من بعدی ط قالوا نعبد الٰھک والٰہ اٰبآئک ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق الٰھاً واحداً و نحن لہٗ مسلمون (البقرۃ ع ۱۶)

جب انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم لوگ میرے بعد کس چیز کی پرستش کروگے، وہ بولے ہم اسی خدا کی پرستش کریں گے، جس کی آپ اور آپ کے بزرگ ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق کرتے آئے ہیں۔ یعنی خدائے واحد کی، اور ہم بس اُسی کے فرمانبردار رہیں گے۔

اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر جہاں مدح کے ساتھ آیا ہے، وہاں یہ بھی ہے کہ (خود تو خود) اپنے گھر والوں پر بھی نماز و زکات کی تاکید رکھتے تھے۔

(۴۲) وکان یامر اھلہٗ بالصلوٰۃ والزکوٰۃ (مریم، ع ۴)

وہ اپنے گھر والوں کو حکم دیتے رہتے تھے نماز اور زکات کا۔

متعدد پیمبروں کے "اوّاب" و "اوّاہ" ہونے کا تذکرہ اُن کی عبدیت کے سلسلہ میں آچکا ہے۔

ابراہیمؑ نے بہ ایں کمال مرتبت ایمان، مزید اطمینان قلب کی خاطر مشاہدہ بعض خوارق و عجائب کی درخواست کی۔

(۴۳) واذ قال ابراھم ربّ ارنی کیف تحی الموتٰی ط قال اولم تؤمن ط قال بلٰی ولکن لیطمئنّ

اور وہ وقت یاد کرو، جب ابراہیم نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار مجھے دکھا دے کہ تو مُردوں کو کیونکر

قلبی۔ (البقرہ ع ۳۵) زندہ کرتا ہے۔ ارشاد ہوا کیا تمہیں اس پر ایمان نہیں۔ بولے (ایمان) کیوں نہ ہوگا لیکن اپنے قلب کو مطمئن (مزید) کرنے کے لئے۔

حضرت عیسیٰؑ، جنہیں ان کی امت کے بڑے بڑے عالم و فاضل تک ابن اللہ مان رہے ہیں، خود اُن کی زبان سے دعوت توحید ہی قرآن نے نقل کی ہے۔

(۴۴) ان اللہ ربی و ربکم فاعبدوہ هذا صراط المستقیم (آل عمران، ع ۵) بے شک اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، بس اسی کی پرستش کرو، سیدھی راہ یہی ہے۔

آپؑ کی پیدائش کا طریقہ اگر خارقِ عادت تھا۔ تو ہوا کرے، بہرحال اس سے آپؑ کے بشر اور خاکی الاصل ہونے پر کیا اثر پڑتا ہے۔ آخر حضرت آدمؑ کی پیدائش کا طریقہ تو عام بشری طریق توالد وتناسل سے بالکل ہی الگ تھا۔

(۴۵) ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل ادم خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون (آل عمران ع ۶) عیسیٰ کی مثال تو اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے انہیں اس نے مٹی سے پیدا کیا، اور ان سے کہا کہ ہو جاؤ تو وہ ہو گئے۔

حضرت عیسیٰؑ کی ذات چونکہ ابنیت الٰہی و ولدیت الٰہی والے شرک کی مرکز خصوصی رہ چکی ہے۔ اس لئے آپؑ کی بشریت و

عبدیت پر زور سب سے زیادہ دیا گیا ہے، یہاں تک کہ حشر میں بھی آپ سے یہ سوال ہو گا۔

(۴۶) ءانت قلت للناس اتخذونی وأمی الٰھین من دون اللہ (المائدہ، ع ۱۶)

کیا تم (دنیا میں) لوگوں سے یہ کہہ آئے تھے، کہ "مجھے اور میری ماں کو بھی خدا بنالو اللہ کے علاوہ"؟

اور جواب قدرۃً آپ کی طرف سے یہ عرض ہو گا،

(۴۷) سبحنك مایکون لی ان اقول مالیس لی بحقٍ (ایضاً)

تو پاک ذات ہے، میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا تھا جس کا مجھے کوئی حق ہی نہ تھا

۵ ۰ ۰ ۱۵

سب سے زیادہ زور و تاکید، تکرار و تصریح، قدرۃً سرور انبیاء، رسول اللہ صلعم ہی کی مسئولیت اور اُس کے مظاہر و آثار پر ہے۔ بار بار ارشاد ہوا ہے کہ کہیں خود ہی اس پیام حق سے متعلق شبہ اور تردد میں نہ پڑ جانا۔

(۴۸) الحق من ربك فلا تکونن من الممترین (البقرۃ ع ۱۷)

یہ حق آپ کے پروردگار کی طرف سے ہے، تو کہیں ہرگز آپ شک کرنیوالوں میں نہ ہو جائیے گا

(۴۹) " " (الانعام ع ۴) " "

(۵۰) " " (یونس ع ۱۰) " "

اور ایک بار ذرا سے نام اختلاف کے ساتھ۔

(۵۱) فلا تکن من الممترین (آل عمران ع ۶) تو آپ شک کرنے والوں میں نہ ہو جائیے گا

اور یہی مضمون ایک دوسرے انداز سے۔

(۵۲) فلا تک فی مریۃ منہ — آپ اس (قرآن) کے بارے میں شک میں نہ پڑئیے۔
(ہود ع ۲)

ایک بار پھر خفیف لفظی تغیر کے ساتھ۔

(۵۳) فلا تک فی مریۃ مما یعبد ھؤلآء — آپ ان چیزوں سے متعلق شک میں نہ پڑیں جن کی لوگ پرستش کرتے رہتے ہیں
(ہود ع ۹)

رسولؐ پر جو وحی قرآنی نازل ہوتی ہے۔ اس پر ایمان لانے کے مکلف جس طرح عام مومنین ہیں، خود رسولؐ بھی تھے۔

(۵۴) اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمؤمنون — رسول (خود) ایمان لائے اس پر جو کچھ ان پر اللہ کے ہاں سے نازل ہوا اور مومنین (بھی)
(البقرہ ع ۴۰)

خاص طور پر آپؐ کو حکم ملا ہے کہ خیانت کرنے والوں کی حمایت و جنبہ داری ہی نہ کریں۔

(۵۵) ولا تکن للخآئنین خصیما — آپ خائنوں کے طرفدار نہ بن جائیں
(النسآء ع ۱۶)

اور اسی سے متصل، اسی سے ملتی ہوئی یہ دوسری ہدایت بھی۔

(۵۶) ولا تجادل عن الذین یختانون انفسھم — آپ ان لوگوں کی طرف سے وکالت نہ کیجئے جو اپنے ہی نفسوں کو نقصان پہنچاتے رہتے ہیں۔
(النسآء ع ۱۶)

اللہ کے خصوصی فضل و کرم نے آپؐ کو سنبھالے رکھا، ورنہ مخالفین تو یہ تہیہ کر بیٹھے تھے، کہ خود آپؐ ہی کو راہ سے برگشتہ کر رکھیں

(۵۷) ولولا فضل اللہ علیک و رحمتہ لھمت طائفۃ منھم ان یضلوک (النساء ع ۱۷)

اور اللہ کا خاص فضل و کرم آپ پر نہ ہوتا تو ان لوگوں کے ایک گروہ نے اس پر کمر ہمت باندھ ہی لی تھی کہ آپ کو گمراہ کر کے رہیں

آپؐ اس پر مامور تھے کہ آپ پر جو کچھ بھی نازل ہوا ہے، اسے پورے کا پورا پہنچائیں، اور اگر آپ نے اس میں کچھ بھی کوتاہی کی، تو گویا آپ نے کوئی بھی پیام نہیں پہنچایا۔

(۵۸) یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ط وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ (المائدہ ع ۱۰)

اے رسول آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے جو کچھ بھی نازل ہوا ہے وہ آپ (سب) پہنچا دیجئے۔ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا۔

خود آپؐ کی زبان سے کہلایا گیا ہے کہ میں تو دعوت توحید و اجتناب شرک پر مامور ہوں۔ اور اپنے ہی متعلق ڈرتا رہتا ہوں کہ کہیں کوتاہی کر کے مستحق عذاب نہ بن جاؤں۔

(۵۹) قل انی امرت ان اکون اول من اسلم ولا تکونن من المشرکین قل انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم (الانعام ع ۲)

آپ کہہ دیجئے کہ مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں اسلام سب سے پہلے لاؤں، اور تم مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہو جانا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو میں تو ایک

بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

اور اس سے ذرا آگے بڑھ کر پھر تاکید آپ کی زبان سے اسی دعوت توحید و اجتناب شرک کی کرائی گئی ہے۔

(۶۰) أئنکم لتشھدون ان مع اللّٰہ آلھۃ اُخریٰ قل لا اشھد قل انما ھو الٰہ واحد و اننی بریٓ مما تشرکون (الانعام۔ ع ۲)

کیا تم سچ مچ یہی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کچھ اور معبود بھی ہیں؟ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو (یہ) گواہی نہیں دیتا آپ کہہ دیجئے کہ وہ تو بس ایک معبود ہے اور میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔

آپ کو اس کی بھی فہمائش ہوئی، کہ سب کا ہدایت پر جمع ہو جانا مشیت تکوینی کے خلاف ہے، اور آپ کا اس تمنا میں پڑنا ایک شائبہ جاہلیت رکھنے کے مرادف ہے۔

(۶۱) ولو شاء اللّٰہ لجمعھم علی الھدیٰ فلا تکونن من الجاھلین (الانعام۔ ع ۴)

اور اگر اللہ کی مشیت یہ ہوتی تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا تو آپ جاہلوں میں نہ ہو جائیے۔

آپ کی زبان حقیقت ترجمان سے یہ حقیقت صاف صاف کہلا دی گئی، کہ میں نہ خزائن پروردگار کا مالک، نہ عالم الغیب، نہ فرشتہ، بلکہ صرف وحی الٰہی پر چلنے والا ہوں۔

(۶۲) قل لا اقول لکم عندی خزآئن اللّٰہ ولا اعلم الغیب

آپ کہہ دیجئے کہ تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس میرے پروردگار کے خزانے ہیں

ولا اقول لکم انی ملک ج انی اتبع الا ما یوحیٰ الیّ

(الانعام - ع ۵)

اور نہ میں علم غیب رکھتا ہوں۔ اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو بس جو کچھ وحی میرے اوپر آتی ہے، بس اسی کی پیروی کر رہا ہوں۔

آپؐ سے بھی باز پرس ایسی ہی ہوتی۔ جیسی ہر فردِ بشر سے ہوتی، اگر کہیں آپؐ سے کوئی لغزش ہو گئی ہوتی —— جو لوگ اپنی محبت میں آپؐ کے ارد گرد جمع رہتے، اُن کے ہٹا دینے کا نامعقول مطالبہ منکرین کی طرف سے پیش ہوتا رہتا۔ آپؐ سے ارشاد ہوا کہ اگر آپؐ کہیں ان پر عمل کر گزرے، تو آپ کا شمار بھی "ظالموں" میں ہو جائے گا۔

(۶۳) .... فتطردھم فتکون من الظلمین

(الانعام - ع ۶)

.... کہ آپ اُن کو دھتکار دیں (اگر آپ نے ایسا کیا) تو آپ بھی ظالموں میں ہو جائیں گے۔

اور مشرکوں کی فرمائش شرک کی (بہ فرضِ محال) تعمیل تو آپ کو کھلے طور پر گمراہوں میں شامل کر دے گی۔

(۶۴) قل انی نہیت ان اعبد الذین تدعون من دون اللہ ط قل لا اتبع اھواءکم قد ضللت اذا وما انا من المھتدین

(الانعام - ع ۶)

آپ کہہ دیجیے کہ مجھ کو تو اس کی ممانعت ہے کہ میں اُن کی عبادت کروں جن کو تم لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہو۔ آپ کہہ دیجیے کہ میں تمہاری خواہشوں کی پیروی نہ کروں گا ورنہ پھر تو میں بے راہ ہو جاؤں

گا، اور راہ یاب لوگوں میں نہ رہوں گا۔

گویا عظمت و مقبولیت کوئی ایسی شے نہ تھی۔ جو کسی نبی کی ذات کے ساتھ چپک کر رہ گئی ہو۔ ہر نبی کا سارا تقدس تو اسی وقت تک ہے، جب تک اس کا رشتہ رضائے الٰہی سے جڑا ہوا ہے۔

خود کوئی لغزش و بدعملی تو الگ رہی، نافرمانوں، سرکشوں کے ساتھ ہم نشینی تک شیطانی عمل قرار پایا۔

(۶۵) واذا رایت الذین یخوضون فی اٰیٰتنا فاعرض عنھم حتٰی یخوضوا فی حدیث غیرہٖ ۚ واما ینسینک الشیطان فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظٰلمین (الانعام۔ ع ۸)	اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھئے جو ہماری آیتوں میں عیب جوئی کر رہے ہیں، تو اُن سے الگ ہو جایئے، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں، اور اگر آپ کو شیطان بھلا دے، تو یاد آ جانے کے بعد (لیسے) ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھئے

انبیاء سابقین میں سے کئی ایک کا نام لے کر ذکر کرنے کے بعد آپ کو ارشاد ہوا ہے کہ بس انھیں کی پیروی کرتے رہیئے۔

(۶۶) اولٰئک الذین ھدی اللہ فبھدٰھم اقتدہ (الانعام۔ ع ۱۰)	یہ لوگ وہ تھے، جنھیں اللہ نے ہدایت کی تھی، تو آپ بھی انہیں کے طریق پر چلیے

ایک پیمبر جلیل، ابراہیم خلیل کی زبان سے، قبل نبوت، کہلایا جا چکا تھا کہ اگر اللہ کا فضل خصوصی دستگیر نہ رہے، تو میں تو گمراہوں میں شمار ہوتا۔

(۶۷) قال لئن لم یهدنی ربی لاکونن من القوم الضالین — (ابراہیمؑ) بولے، کہ اگر میرا پروردگار مجھے ہدایت نہ کرتا رہے، تو میں تو گمراہ

(الانعام ع ۹) — لوگوں میں شامل ہو جاؤں۔

رسول اللہؐ کو صراحت کے ساتھ یہ حکم ملا، کہ بس وحی الٰہی کی پیروی کرتے رہیئے۔ اور مشرکوں کی طرف ذرا التفات نہ ہونے پائے۔

(۶۸) اتبع ما اوحی الیک من ربک لا الٰہ الا ھو واعرض عن المشرکین (الانعام ع ۱۲) — بس اسی وحی کی جو آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر اتری ہے کہ کوئی خدا نہیں ہے۔ بجز اس کے۔ پیروی کرتے رہیئے، اور مشرکوں سے کنارہ کش رہیئے۔

یہ بھی آپؐ کو بتا دیا گیا تھا کہ اگر کہیں ان لوگوں کی طرف آپ مائل ہو گئے، تو دنیا میں اکثریت تو ایسوں ہی کی ہے۔ جو آپ کو گمراہ ہی کر کے رہے گی۔

(۶۹) وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ۔ (الانعام ع ۱۴) — اور روئے زمین پر زیادہ تر جو لوگ ہیں، اگر آپ نے اُن کا کہنا مان لیا، تو یہ اللہ کی راہ سے آپ کو بھٹکا کر ہی رہیں گے

آپؐ کو یہ بھی کہنے کا حکم ملا، بعد اقرار توحید و رد شرک کے، کہ میں ہی سب سے بڑا مسلم ہوں۔ اور راہ یاب ہونے اور ملت ابراہیمی پر چلنے کی توفیق مجھے فضل الٰہی ہی سے ہوئی ہے۔

(۷۰) قل اننی ھدنی ربی الی — آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو سیدھا راستہ میرے پروردگار

صراطا مستقیما دینا قیما ملة ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لا شریک لہ وبذالک امرت وانا اول المسلمین (الانعام ع ۲۰)

نے بتلا دیا ہے۔ (۵۵) ایک دین محکم ہے جو طریقہ ہے ابراہیم راست رو کا۔ اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔ آپ کہہ دیجئے کہ یقیناً میری نماز اور میری ساری عبادت اور میری زندگی اور میری موت، یہ سب خالص اللہ ہی کے لئے ہے جو پروردگار عالم ہے بلا کسی شریک کے مجھے اسی کا حکم ملا ہے اور میں مسلموں میں سب سے پہلا ہوں۔

آپ کو جو کتاب ملی تھی، آپ اس کی تبلیغ پر مامور تھے، اور آپ کو حکم تھا کہ آپ اس سے تنگی نہ محسوس کریں۔

(۷۱) کتاب انزل الیک فلا یکن فی صدرک حرج منہ لتنذر بہ (الاعراف ع ۱)

یہ ایک کتاب ہے جو آپ پر اس لئے اتاری گئی ہے کہ آپ اس کے ذریعہ سے ڈرائیں سو آپ اس سے اپنے میں بالکل تنگی نہ پائیں۔

آپ سے پھر کہلایا گیا کہ میں تو بس وحی الٰہی ہی کی پیروی کرتا ہوں میں کوئی اپنی طرف سے کچھ گڑھ تھوڑے ہی لاتا ہوں۔

(۷۲) قل انما اتبع ما یوحی الی من ربی (الاعراف ع ۲۴)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو بس اسی کی پیروی کرتا ہوں، جو وحی الٰہی میرے اوپر ہوتی ہے۔

آپؐ کو تنبیہ کی گئی، کہ یاد الٰہی میں لگے رہیں، اور کہیں غافلوں میں شامل نہ ہو جائیں۔

(۴۳) واذکر ربک فی نفسک .... ولا تکن من الغافلین (الاعراف ع ۲۴)	اور اپنے پروردگار کو اپنے دل میں یاد کرتے رہئے ... اور غافلوں میں سے نہ ہو جایئے۔

یہ نہ تھا کہ آپؐ کی کسی بات پر کبھی کوئی گرفت الٰہی ہوتی ہی نہ ہو۔ بندہ، دانا ترین ہو کر بھی بہر حال بندہ ہے۔ اسکا علم علم الٰہی کو کیسے محیط ہو سکتا ہے۔ اعمال و معاملات میں کوئی نہ کوئی پہلو کبھی اس کی نظر سے رہ ہی جائے گا۔ ایسے ہر موقع پر قرآن مجید میں تنبیہ وارد ہوئی ہے۔

چنانچہ غزوۂ بدر کے بعد جب بعض صحابیوں کے مشورے کے مطابق جنگ کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا، تو اس پر گرفت ان الفاظ میں ہوئی۔

(۴۴) ما کان لنبی ان یکون له اسری حتی یثخن فی الارض ط تریدون عرض الدنیا والله یرید الاخرة (الانفال، ع ۹)	نبی کے لئے مناسب نہ تھا کہ ان کے لئے قیدی باقی رہیں، تاوقتیکہ وہ (نبی) ملک میں اچھی طرح خونریزی نہ کر لیتے، تم لوگ تو دنیا کا مال و متاع چاہتے ہو اور اللہ آخرت کو چاہتا ہے۔

اسی طرح ایک اور غزوہ کے موقع پر جب آپ نے منافقین کو

اُن کی عذر خواہی سن کر شرکت جہاد سے معاف کر دیا تھا، تو اس پر گرفت گو بڑی شفقت کے ساتھ، یوں ہوئی۔

(۷۵) عفا اللہ عنك لم اذنت لھم حتّٰی یتبین لك الذین صدقوا وتعلم الکذبین (التوبۃ ع ۷)	اللہ نے آپ کو معاف کر دیا۔ آپ نے ان لوگوں کو کیوں اجازت دے دی جب تک آپ کے سامنے سچے لوگ ظاہر ہو جاتے اور آپ جھوٹوں کو نہ معلوم کر لیتے

مشرکین مکہ آپ کے اور دوسرے مومنین کے آخر عزیز ہی ہوتے تھے۔ دوسرے مومنین کی طرح آپ نے بھی طبعی محبت کے اثر سے ان میں بعض وفات پائے ہوؤں کے حق میں دعائے مغفرت کر دی۔ اس پر تنبیہ ان الفاظ میں وارد ہوئی۔

(۷۶) ما کان للنبیّ والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربٰی من بعد ما تبین لھم انھم اصحٰب الجحیم (التوبۃ ع ۱۴)	نبی اور ایمان والوں کو جائز نہ تھا کہ مشرکین کے حق میں مغفرت کی دعا کریں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی ہوں اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں۔

جاہلیوں، مشرکوں کی طرف سے فرمائش بار بار ہوتی کہ فلاں مضمون کے بجائے فلاں مضمون کیوں نہیں قرآن میں بیان ہوتے۔ بار بار آپؐ کی زبان سے ایک بار پھر یہ کہلایا گیا کہ یہ بھی کوئی میرے اختیار کی بات ہے؛ اور اگر میں (خدانخواستہ) گڑھ کر کچھ پیش کر دوں، تو میں خود ہی

نہ عذاب میں مبتلا ہو جاؤں!

(۷۷) قل مایکون لی ان ابدلہ من تلقائی نفسی ج ان اتبع الا مایوحیٰ الی ج انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم (یونس ع ۲)

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ سے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اپنی طرف سے اس میں کچھ ترمیم کر دوں میں تو بس اس کی پیروی کروں گا، جو میرے پاس وحی سے پہنچا ہے۔ میں اگر اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں، تو میں تو ایک بڑے بھاری دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

عقیدۂ توحید اور ردِ شرک کے مکلف جس طرح سب انسان تھے۔ آپ بھی تھے، اور انکار پر جو سزا سب کے لئے تھی وہی آپ کے لئے بھی تھی، اور آپ کو اس کے اعلان کا حکم ملا۔

(۷۸) ... فلا اعبد الذین تعبدون من دون اللہ ولکن اعبد اللہ الذی یتوفاکم وامرت ان اکون من المومنین وان اقم وجھک للدین حنیفا ولا تکونن من المشرکین ہ ولا تدع من دون اللہ مالا ینفعک ولا یضرک فان فعلت فانک اذا من الظالمین (یونس۔ ع ۱۱)

تو میں ان معبودوں کی عبادت کرتا نہیں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔ البتہ میں تو اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جانیں قبض کرتا ہے۔ اور مجھے تو حکم ملا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہوں۔ اور یہ کہ اپنا رُخ دین کی طرف سب سے یکسو ہو کر کر لیجئے اور مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہو جیئے اور اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی چیز کی عبادت نہ کیجئے جو آپ کو نہ کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ آپ کو کوئی ضرر اور اگر ایسا کیا، تو آپ کا شمار

بھی ظالموں ہی میں ہو گا۔

شدید ترین ہجوم اعداء پر بھی آپ اسی پر مامور تھے، کہ فیصلہ الٰہی کا انتظار کریں۔

(۷۹) واتبع مایوحیٰ الیک واصبر حتیٰ یحکم اللہ وھو خیر الحٰکمین

(یونس ع ۱۱)

آپ پیروی اسی کی کرتے رہیئے جو کچھ آپ کے پاس وحی بھیجی جاتی ہے اور صبر کیجئے، یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

بشریت کے طبعی تقاضے سے کبھی آپ کے دل میں یہ آنے لگتا، کہ قرآن کے جن حصوں کی مخالفت اتنی شدید کی جاتی ہے۔ انھیں تبلیغ میں چھوڑ ہی دیا جائے۔ یا آپ کبھی معاندین کے اس طنز سے کبیدہ خاطر ہونے لگتے کہ ان پیمبر کے ساتھ خزانہ کیوں نہیں، یا ان کے ساتھ ساتھ کوئی فرشتہ نمودار کیوں نہیں ہوتا۔ ایسے ہر موقع کے لئے حقیقت وا نشگاف بیان کر دی گئی ہے!

(۸۰) فلعلک تارک بعض مایوحیٰ الیک وضائق بہ صدرک ان یقولوا لولآ انزل علیہ کنز او جآء معہ ملک انما انت نذیر۔

(ہود ع ۲)

تو شاید آپ اس وحی کا، جو آپ کو کی جاتی ہے کچھ حصہ چھوڑ دینا چاہتے ہیں اور آپ کا دل ان کے اس کہنے سے تنگ ہوتا ہے کہ ان پر کوئی خزانہ کیوں نہ نازل ہوا یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا۔ (حالانکہ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔

حضرت صالحؑ ایک قدیم پیمبر برحق گزرے ہیں۔ اُن کی زبان سے یہ ادا کرایا ہے، کہ اگر میں اللہ کے حکم میں کوتاہی کروں تو خود مجھے عذاب الٰہی سے کون بچائے گا!

(۸۱) فمن ینصرنی من اللہ ان عصیتہ (ہود. ع ۶) — مجھے اللہ (کی گرفت) سے کون بچائے گا اگر میں اس کی نافرمانی کروں۔

حضرت شعیبؑ پیغمبر کی زبان سے کہلایا ہے کہ جو کچھ بھی کرتا ہوں اللہ ہی کی توفیق سے کرتا ہوں، میرا بھروسہ بھی اسی کی ذات پر ہے، اور رجوع بھی اسی کی طرف کرتا ہوں۔

(۸۲) وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب (ہود. ع ۸) — مجھے تو جو کچھ بھی توفیق ہو جاتی ہے اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے اسی پر بھروسا رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں

انھیں پیمبر نے آخر عاجز آ کر اپنی قوم والوں سے کہا، کہ اچھا اب تم بھی عذاب الٰہی کا انتظار کرو، اور میں بھی اسی وقت کا منتظر ہوں۔

(۸۳) وارتقبوا انی معکم رقیب (ہود ع ۸) — تم بھی انتظار کرو، اور میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔

آپؐ کو تاکید کے ساتھ حکم ملا، کہ حالات جو کچھ بھی ہوں، آپ کو جو کچھ حکم ملا ہے، آپ اسی پر قائم رہیئے۔

(۸۴) فاستقم کما اُمرت (ہود ع ۱۰) — آپ قائم رہیئے اسی پر جو حکم آپ کو ملا ہے۔

رسول اللہ صلعم کے سامنے یہ سارے قصے انبیا سابقین کے بیان کرنے سے ایک خاص غرض ہی یہ رکھی گئی ہے، کہ خود آپؐ کے قلب کو قوت پہنچے۔

(۸۵) وکلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ فوادک (ہود۔ ع ۱۰) — اور پیمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ سارے قصے آپ سے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعہ سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے رہتے ہیں۔

پیمبر جلیل حضرت یوسفؑ کی زبان سے اس حقیقت کا اظہار کرایا گیا ہے کہ نفس بشری تو برائی کی بابت تحریک کرتا ہی رہتا ہے، اور خود میرا نفس کب اس سے ماورا و مستثنا ہے؟

(۸۶) وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء (یوسف ع ۷) — اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا، نفس تو برائی کی طرف لاتا ہی رہتا ہے۔

شدت و تاکید کے ساتھ رسول اللہؐ کی زبان سے کہلایا گیا کہ میں تو تبلیغ توحید و رد شرک پر مامور ہوں۔ یہی میری دعوت ہے اور یہی میری منزل مقصود۔

(۸۷) قل انما امرت ان اعبد اللہ ولا اشرک بہ الیہ ادعوا والیہ ماٰب (الرعد، ع ۵) — آپ کہہ دیجیے کہ مجھے تو اس کا حکم ملا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤں۔ اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے جانا ہے۔

تہدید کے لہجہ میں آپؐ سے کہہ دیا گیا کہ اگر آپ نے کہیں مشرکوں کی

بہ علینا وکیلا ۰ اِلا رحمۃ مّن ربّك ؕ انّ فضلہ کان علیك کبیرًا (بنی اسرائیل ع ۱۰)

آپ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی حمایتی بھی نہ ملے۔ مگر آپ کے پروردگار ہی کی رحمت سے بیشک اس کا آپ پر بڑا فضل ہے۔

آپ کو اس کا بھی حکم ملا کہ صحابیوں میں غریب غربا جیسے بھی کچھ ہوں انھیں سے دل لگائے رکھئے، کہ وہ بہرحال دولت ایمان رکھنے والے ہیں۔ اور ظاہری دولت و شوکت رکھنے والے اہل غفلت سے اپنا رخ بالکل ہٹائے رکھیں۔

(۹۲) واصبر نفسك مع الّذین یدعون ربّھم بالغدٰوۃ والعشیّ یریدون وجھہ ولا تعد عیناك عنھم ج تریدُ زینۃ الحیٰوۃ الدّنیا ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتّبع ھوٰہ وکان امرہٗ فرطا (الکہف ع ۴)

اور اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھئے جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت محض اس کی رضاجوئی کے لئے کرتے ہیں اور آپ کی آنکھیں اُن سے ہٹنے نہ پائیں کہ لگیں (آپ) دنیوی زندگی کی بہار کا پاس کرنے۔ اور ایسے شخص کے کہنے میں نہ آئیے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے۔ اور وہ اپنی خواہش نفس پر چلتا ہے۔ اور اس کا معاملہ حد سے گزر گیا ہے

آپؐ کو اس کی ممانعت ہوئی کہ کافروں۔ منکروں کی چند روزہ خوشحالی اور بہار زندگی کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھیں، وہ کوئی رغبت کی چیز تھوڑے ہی ہے۔ اس سے تو ان شامت زدوں کی محض آزمائش مقصود ہے۔

راہ پر چلنا شروع کر دیا۔ تو ویسا ہی عذاب الٰہی آپ کے لئے بھی ہے

(۸۸) ولئن اتبعت اھوآءھم بعد ما جآءک من العلم مالک من اللہ من ولی ولا واق (الرعد۔ ع ۵)

اور اگر آپ ان کی خواہشوں پر چلنے لگیں بعد اس کے کہ آپ کو علم (حقیقی) پہنچ چکا ہے۔ تو اللہ کے مقابلہ میں آپ کا نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ بچانے والا۔

تبلیغ توحید تمامتر آپ کا ایک فریضہ تھی۔

(۸۹) فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشرکین (الحجر۔ ع ۶)

غرض آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا ہے اسے صاف صاف سنا دیجئے اور مشرکوں کی پروا نہ کیجئے۔

آپ اس پر مامور تھے کہ عمر بھر توحید و عبادت پر قائم رہیں۔

(۹۰) فسبح بحمد ربک وکن من السجدین ۔ واعبد ربک حتی یاتیک الیقین (الحجر ع ۶)

تو آپ اپنے پروردگار کی تسبیح و حمد میں لگے رہیئے اور نمازیں پڑھنے والوں میں رہیئے اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہیئے یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے،

آپؐ کو بجائے خود اتنا بھی اختیار نہ تھا کہ جو کچھ وحی آپ کو پہنچ چکی ہے، اسی کو آپ محفوظ رکھ لیں، اللہ کے اختیار میں تھا کہ سب سلب کر لے۔ بس رحمت خصوصی ہی آپ کی حامی و دستگیر رہی۔

(۹۱) ولئن شئنا لنذھبن بالذی اوحینا الیک ثم لا تجد لک

اور اگر ہم چاہیں تو جس قدر آپ پر وحی بھیجی ہے سب سلب کر لیں، پھر اس کے لئے

(۹۳) ولا تمدن عینیک الی ماتمتعنا بہ ازواجا منھم زھرۃ الحیوٰۃ الدنیا لنفتنھم فیہ
(طٰہٰ ع ۸)

اور آپ اس ساز و سامان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جس سے ہم نے کافروں کے مختلف گروہوں کو متمتع کر رکھا ہے کہ وہ دنیوی زندگی کی بہار ہے، اُن کی آزمائش کے لیے۔

آپ کو تو حکم ہوا کہ نماز پر نہ صرف خود ہی قائم رہیں، بلکہ اپنے والوں کو بھی قائم رکھیں۔

(۹۴) وامر اھلک بالصلوٰۃ واصطبر علیھا (طٰہٰ ع ۸)

اپنے والوں کو بھی نماز کا حکم دیتے رہیے اور خود بھی اس کے پابند رہیے۔

کافروں، منکروں کی بات ماننا کیسی، آپ مامور تو ان کے خلاف قرآن کے ذریعہ سے شدید مقابلہ پر ہے۔

(۹۵) فلا تطع الکافرین وجاھدھم بہ جھادا کبیرا۔
(الفرقان، ع ۵)

تو آپ کافروں کا کہنا مانئے اور قرآن کے ذریعہ سے ان کا مقابلہ زور و شور سے کیجئے۔

آپ کو حکم اللہ پر توکل کرنے اور اس کی تسبیح و حمد کرتے رہنے کا تھا۔

(۹۶) وتوکل علی الحی الذی لا یموت وسبح بحمدہ۔
(الفرقان ع ۵)

اور آپ توکل اسی زندہ پر رکھیے جسے کبھی موت آنے والی نہیں، اور اسی کی تسبیح و تحمید میں لگے رہیے۔

آپ مامور اس پر تھے کہ اپنے عزیزوں قریبوں کو ڈراتے رہیں،

اور مومنین متبعین کے ساتھ برتاؤ تواضع کا رکھیں۔ اور آپ کو صاف صاف یہ بھی سنا دیا گیا تھا کہ اگر (بہ فرض محال) آپ نے کسی غیر اللہ کو پکارا، تو آپ کا شمار بھی معذبین میں ہونے لگے گا۔

(۹۷) فلا تدع مع اللہ الٰھا اٰخر فتکون من المعذبین۔ وانذر عشیرتک الاقربین۔ واخفض جناحک لمن اتبعک من المؤمنین (الشعراء ع ۱۱)	اور آپ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو مت پکاریے گا، ورنہ آپ بھی معذبین میں ہو جائیں گے۔ اور آپ اپنی نزدیکی قرابت والوں کو ڈرا دیجئے۔ اور ان لوگوں سے تواضع کے ساتھ پیش آئیے جو مومن ہو کر آپ کی پیروی کرنے والے ہوں۔

اللہ پر توکل رکھنے کی آپ کو تاکید تھی۔

(۹۸) فتوکل علی اللہ انک علی الحق المبین (النمل ع ۶)	اور آپ اللہ پر توکل رکھیے۔ آپ بے شک صریح حق پر ہیں۔

خود آپ کی زبان سے کہلایا گیا، کہ میں تو اس پر مامور ہوں کہ خدائے ذوالجلال ہی کی عبادت کروں، اور قرآن پڑھ پڑھ کر سناتا رہوں۔

(۹۹) انما امرت ان اعبد رب ھذہ البلدۃ الذی حرمھا ولہ کل شیء وامرت ان اکون من المسلمین وان اتلوا القراٰن (النمل ع ۷)	مجھے تو بس یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر کے مالک کی عبادت کروں، جس نے اس کو محترم بنایا ہے۔ اور سب چیزیں اسی کی ہیں اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ میں فرماں برداروں میں شامل رہوں اور یہ کہ میں قرآن پڑھ کر سناتا رہوں۔

آپ کو مخاطب کر کے صاف صاف کہا گیا، کہ آپ تو اس کتاب آسمانی کے امیدوار ہی نہ تھے۔ یہ تو محض فضل خداوندی سے آپ پر نازل ہو گئی۔ تو آپ کافروں کی طرفداری ہرگز نہ کریں۔ اور نہ یہ لوگ آپ کو احکام الٰہی کی طرف سے ذرا بھی روکنے پائیں۔ بلکہ آپ دعوتِ توحید دیتے رہیئے، اور مشرکوں میں شامل ہرگز نہ ہو جیئے۔

(۱۰۰) وما کنت ترجوا أن یلقیٰ الیک الکتاب الا رحمة من ربک فلا تکونن ظهیرا للکافرین ○ ولا یصدنک عن ایٰت الله بعد اذ انزلت الیک وادع الیٰ ربک ولا تکونن من المشرکین ○ ولا تدع مع الله الٰها اٰخر

(القصص ع ۹)

اور آپ کو یہ توقع بھی نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل کی جائیگی مگر محض آپ کے پروردگار کی رحمت سے (اس کا نزول ہوا) تو آپ کافروں کے ذرا بھی پشت پناہ نہ بنیئے۔ اور جب اللہ کے احکام آپ کو پہنچ جائیں تو ایسا ہرگز نہ ہونے پائے کہ یہ لوگ آپ کو اُن سے روک دیں۔ اور آپ اپنے پروردگار کی طرف بلاتے رہیئے اور مشرکوں میں ہرگز نہ شامل ہو جایئے۔ اور اللہ کے سوا کسی معبود کو نہ پکاریئے۔

اللہ کے وعدوں پر صبر کیئے رہنے کا حکم آپ کو بھی تھا اور یہ تنبیہ بھی کہ کہیں بے دین لوگ آپ کے پائے استقامت میں لغزش نہ پیدا کر دیں۔

(۱۰۱) فاصبر ان وعد الله حق ولا یستخفنک الذین لا یوقنون

سو آپ صبر کیجیئے بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور بے یقین لوگ آپ کو

بے پروا شت نہ کرنے پائیں۔ (الروم ع ۶)

اللہ سے ڈرتے رہئے، کافروں، منافقوں کے کہے میں نہ آجائیے۔ صرف پیروی وحی کئے جائیے۔ اور اللہ پر توکل رکھنے کے احکام کے مخاطب آپؐ ہی ہیں۔

(۱۰۲) یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ۝ وَّاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۝ وَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیْلًا (الاحزاب ع ۱)	اے نبی اللہ سے ڈرتے رہئے اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے۔ بے شک اللہ بڑا علم والا بڑا حکمت والا ہے۔ اور جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے وحی آپ پر آتی ہے اس کی پیروی کرتے رہئے۔ بے شک اللہ تمہارے سب اعمال کی خبر رکھتا ہے۔ اللہ پر بھروسا رکھئے۔ اللہ ہی کافی کارساز ہے۔

اجمالاً انہیں احکام کی تکرار پھر ایک بار ہے۔

(۱۰۳) وَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیْلًا (الاحزاب ع ۶)	اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے اور ان کی طرف سے جو تکلیف پہنچے اس کا خیال نہ کیجئے اور اللہ پر بھروسا رکھئے اور اللہ کافی کارساز ہے۔

اور جب آپ بہ نفس نفیس مکلف ہر طرح احکام شریعت کے تھے۔ تو آپ کی ازواج کے ساتھ بھی کوئی رعایت کیوں ہوتی؛ بلکہ ان کے علوئے مرتبہ کے لحاظ سے اُن کے لئے تو سزا اور دگنی ہے۔

(۱۰۴) یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْکُنَّ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ یُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ ؕ وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا (الاحزاب ع۴)

اے نبی کی بیبیو، تم میں سے جو کوئی کھلی ہوئی بیہودگی کرے گی، اس کو سزا بھی دُہری ملے گی۔ اور یہ بات اللہ کے لیے آسان ہے۔

ان بی بی صاحبان کے جہاں مرتبے بلند تھے، وہیں ان کی ذمہ داریاں بھی کچھ کم نہ تھیں۔ فرائض، احکام و تعزیرات میں اُن کے ساتھ ذرا رعایت نہ تھی۔

(۱۰۵) یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۚ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّۃِ الْاُوْلٰی وَاَقِمْنَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوۃَ وَاَطِعْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا (الاحزاب۔ ع۴)

اے نبی کی بیبیو، تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم تقویٰ اختیار کیے رہو۔ تو تم بولنے میں نزاکت مت اختیار کرو جس سے ایسے شخص کو ہوس پیدا ہونے لگتی ہے۔ جس کے قلب میں بیماری ہے اور جاہلیت قدیم کے دستور کے مطابق اپنے کو دکھاتی نہ پھرو۔ اور نمازوں کی پابندی رکھو، اور زکوٰۃ دیتی رہو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتی رہو۔ اللہ کو تو بس یہ منظور ہے کہ اے (پیمبر کے) گھر والو، تم سے آلودگی کو دور رکھے، اور تم کو خوب پاک صاف رکھے۔

احکام میں اگر آپ کے مخصوص حالات کی بنا پر کچھ نرمی آپ کی

ذات کے ساتھ تھی بھی، تو دوسری طرف بعض قیدیں بھی آپ کے لئے زاید تھیں۔ چنانچہ جہاں ازواج مبارک آپ کے لئے چار سے زائد جائز ہوئیں، وہیں ایک خاص وقت پر یہ قید بھی آپ کے لئے لگ گئی، کہ اب آپ نہ کوئی نیا عقد کر سکتے ہیں اپنی پسند و خواہش کے باوجود، نہ کسی پرانی بی بی صاحبہ کے بجائے کوئی دوسری لا سکتے ہیں

(۱۰۶) لا یحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بهن من ازواج ولو اعجبک حسنهن

(الاحزاب ۔ ع ۶)

اب ان کے علاوہ نہ اور عورتیں آپ کے لئے جائز ہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ آپ ان بیبیوں کی جگہ دوسری بیبیاں کرلیں اگرچہ آپ کو ان کا حسن بھلا ہی لگے۔

توحید خالص اور عبادت الٰہی پر ماموریت کا حکم آپ کو بار بار ملتا رہا

(۱۰۷) فاعبد الله مخلصا له الدین

(الزمر ع ۱)

آپ اعتقاد خالص کرکے اللہ ہی کی عبادت کرتے رہیے۔

اور آگے چل کر اس سے بھی زیادہ زور و تاکید اور اس کے خلاف پر وعید و تہدید کے ساتھ:۔

(۱۰۸) قل انی امرت ان اعبد الله مخلصا له الدین ۵ وامرت لان اکون اول المسلمین ۵ قل انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم ۵ قل الله اعبد مخلصا

آپ کہہ دیجیے کہ مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ دین اسی کے لئے خالص رکھوں، اور مجھے حکم یہ ہے کہ میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں، آپ کہہ دیجیے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی

لہٗ دینی (الزمر ع ۲) کہنا نہ مانوں تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں اللہ کی عبادت اس طرح کرتا ہوں کہ دین کو اس کے لئے خالص رکھتا ہوں۔

عذاب کی وعید، شرک پر، جس طرح سب کے لئے تھی، خود آپؐ کے لئے بھی تھی۔

(۱۰۹) لقد اوحی الیک والی الذین من قبلک لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخسرین ۝ بل اللہ فاعبد وکن من الشکرین (الزمر ع ۷)

آپ کی طرف بھی اور جو پیمبر آپ کے قبل بھی ہو چکے ہیں، اُن کی طرف بھی وحی آچکی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا، تو تیرا کیا کرایا اکارت جائے گا۔ اور تو یقیناً خسارے میں پڑے گا۔ تو اب اللہ ہی کی عبادت کیجئے اور شکرگزار رہیئے۔

ممانعت شرک اور تاکید توحید ایک اور موقع پر۔

(۱۱۰) قل اِنی نہیت ان اعبد الذین تدعون من دون اللہ لما جاءنی البینٰت من ربی وامرت ان اسلم لرب العلمین (المومن ع ۷)

آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اس کی ممانعت ہے کہ میں ان کی عبادت کروں۔ جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔ جبکہ میرے پاس میرے پروردگار کی نشانیاں آچکیں اور مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں پروردگارِ عالم کے سامنے گردن جھکا لوں۔

آپؐ کو صبر و تحمل کی مزید تاکید۔

(۱۱۱) فاصبر ان وعد اللہ حق (المومن ع ۸)	آپ صبر کیے رہیئے۔ بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے۔

آپ کی زبان سے ایک بار پھر اس کا اعتراف کہ اللہ ہی پر میرا بھروسا ہے اور اللہ ہی کی طرف میں رجوع کرنے والا بھی ہوں۔

(۱۱۲) ذٰلکم اللہ ربی علیہ توکلت والیہ اُنیب (الشوریٰ ع ۲)	یہی ہے اللہ میرا پروردگار، اسی پر توکل رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں

آپؐ کو استقامت توحید و طاعت اور اجتناب شرک اور قیام عدل کا حکم ایک بار اور۔

(۱۱۳) فلذٰلک فادع واستقم کما اُمرت ولا تتبع اھوآءھم وقل اٰمنت بما انزل اللہ من کتاب وامرت لاعدل بینکم (الشوریٰ ع ۲)	سو آپ اسی کی طرف بلاتے جایئے، اور جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے۔ اُس پر قائم رہیئے اور ان کی خواہشوں پر نہ چلیے آپ کہہ دیجیے کہ اللہ نے جو بھی کتابیں اتاری ہیں میں اُن پر ایمان رکھتا ہوں

اور مجھکو یہ حکم ہوا ہے کہ تمہارے درمیان عدل رکھوں۔

آپؐ اس پر مامور تھے کہ کتاب الٰہی سے برابر تمسک کیے رہیں، اور یہ کتاب خود آپ کے لیے بھی ایک شرف کی چیز تھی۔

(۱۱۴) فاستمسک بالذی اوحی الیک انک علیٰ صراطٍ مستقیم وانہ لذکر لک ولقومک۔	آپ تمسک کرتے رہیئے اس (کلام) سے، جو آپ پر وحی کیا گیا ہے، بے شک آپ سیدھے راستہ پر ہیں۔ اور یہ (قرآن) باعث

شرف ہے آپ کے لئے اور آپ کی اُمت کے لئے (الزخرف ع ۴)

تاکید کے ساتھ آپ کو حکم ملا کہ آپ پر جو شریعت الٰہی نازل ہوئی ہے اُسی پر قائم و دائم رہیئے۔ اور دوسروں کے طریقے نہ اختیار کیجئے۔ وہ ہرگز اللہ کے مقابلہ میں کام آنے کے نہیں۔

(۱۱۵) ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۚ (الجاثیہ۔ ع ۲)

پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر قائم کر دیا، سو آپ اُسی پر چلتے رہیئے۔ اور بے علموں کی خواہشوں پر نہ چلئے یہ لوگ اللہ کے مقابلہ میں آپ کے ذرا کام نہیں آ سکتے۔

منکروں کی اذیت رسانی پر آپ کو صبر و ثبات کی تاکید بار بار ہوئی ہے اور قدیم پیمبروں کے اُسوہ پر بھی آپ کو توجہ دلائی گئی۔ مثلاً کہیں پر یہ

(۱۱۶) فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ (الاحقاف ع ۴)

تو آپ صبر کیجئے۔ جیسا کہ اولوالعزم پیمبر صبر کرتے رہے ہیں۔ اور ان لوگوں کے لئے (عذاب کی) جلدی نہ کیجئے۔

اور کہیں یوں صبر و عبادت کی تاکید ساتھ ساتھ۔

(۱۱۷) فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ (قٓ۔ ع ۳)

ان لوگوں کی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے پروردگار کی تسبیح و حمد کرتے رہیئے آفتاب نکلنے سے پہلے اور (اسکے) چھپنے سے پہلے، اور رات میں بھی اس کی تسبیح کرتے رہیئے اور نمازوں

کے بعد بھی۔

اور ایک بار پھر حکم صبر کو حکم تسبیح و حمد کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا

(۱۱۸) واصبر لحکم ربک فانک باعیننا وسبح بحمد ربک حین تقوم ومن الیل فسبحہ وادبار النجوم (الطور ع ۲)

آپ اپنے پروردگار کی تجویز پر صبر سے بیٹھے رہیے کہ آپ ہماری نظروں میں ہیں۔ اور اٹھتے وقت اپنے پروردگار کی تسبیح و حمد کیجیے۔ اور رات میں بھی اس کی تسبیح کیا کیجیے۔ اور ستاروں سے پیچھے بھی۔

تذکیر کا حکم بھی آپ کو بار بار ملتا رہا ہے۔ کہیں قرآن کی قید کے ساتھ، مثلاً

(۱۱۹) فذکر بالقران من یخاف وعید (ق ع ۳)

آپ قرآن کے ذریعہ تذکیر اس کی کرتے رہیے جو کوئی میری وعید سے ڈرتا ہو

اور کہیں بلا اس قید کے اور سرکشوں سے بے التفاتی کے حکم کے ساتھ۔

(۱۲۰) فتول عنھم فما انت بملوم وذکر فان الذکری تنفع المؤمنین (الذاریت ع ۳)

آپ ان (سرکشوں) کی طرف التفات نہ کیجیے، کیونکہ آپ پر کسی طرح کا الزام نہیں، اور تذکیر کرتے رہیے کہ تذکیر ایمان والوں کو نفع دیتی ہے۔

منکروں، معاندوں کی طرف سے تولی و اعراض کا حکم آپ کو بار بار ملا ہے، کہ ان سب سے صرف نظر کر کے بس اپنے کام میں لگے رہیے مثلاً

(۱۲۱) فاعرض عن من تولّٰی عن ذکرنا ولم یرد الا الحیٰوۃ الدنیا (النجم. ع ۲)

آپ ایسے شخص سے اپنی توجہ ہٹا لیجئے جو ہماری نصیحت سے روگردانی کئے ہوئے ہے اور جس کا مقصود بجز دنیوی زندگی کے اور کچھ نہیں۔

یا یہ کہ

(۱۲۲) فما تغن النذر فتول عنھم (القمر ع ۱)

ڈراوے انہیں کچھ فائدہ ہی نہیں دیتے تو آپ ان کی طرف سے نظر پھیر لیجئے

آپ کو خبردار کیا گیا، کہ کہیں آپ منکرین معاندین کے کہے میں نہ آجائیں۔

(۱۲۳) فلا تطع المکذبین ۝ ودّوا لو تدھن فیدھنون ولا تطع کلّ حلاف مّھین (القلم، ع ۱)

تو آپ جھٹلانے والوں کا کہا نہ مانئے یہ لوگ تو چاہتے ہی ہیں کہ آپ ڈھیلے پڑیں، تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔ اور اس کے کہے میں بھی نہ آئیے جو (جھوٹی) قسمیں کھانے والا، کمینہ ہے۔

آپؐ کو حکم تو برابر تسبیح و استغفار کا تھا۔

(۱۲۴) فسبح باسم ربّک العظیم (الحاقۃ۔ ع ۲)

آپ اپنے پروردگار بزرگ کے نام کی تسبیح کیجئے۔

(۱۲۵) فسبح بحمد ربّک واستغفرہ (النصر

اپنے پروردگار کی حمد و تسبیح میں لگے رہئے اور اس سے طلب مغفرت کرتے رہئے

حکم صبر کی تاکید بار بار ہوئی ہے۔

(۱۲۶) فاصبر صبراً جمیلاً — تو آپ صبر کرتے رہیے صبر جمیل۔
(المعارج، ع ۱)

اور کہیں صبر کے ساتھ تاکید ذکر و عبادت کی ملی جلی ہوئی ہے۔

(۱۲۷) فاصبر لحکم ربك ولا تطع منهم آثماً او کفوراً ہ واذکر اسم ربك بکرۃ واصیلاً ہ ومن الیل فاسجد له وسبحه لیلاً طویلاً
(الدھر، ع ۲)

تو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر صبر کیے بیٹھے رہیے اور ان میں سے کسی فاسق یا کافر کے کہے میں نہ آیئے۔ اور کسی قدر رات کے حصے میں بھی اس کو سجدہ کیا کیجیے۔ اور اسکی تسبیح رات کے بڑے حصے میں کیا کیجیے۔

عبادت الٰہی پر اور ترک و تبتل پر تو آپ امت سے زیادہ ہی مامور تھے

(۱۲۸) قم الیل الا قلیلاً ہ نصفه او انقص منه قلیلاً او زد علیه ورتل القرآن ترتیلاً ہ انا سنلقی علیك قولاً ثقیلاً
(المزمل ع ۱)

رات کو کھڑے رہا کیجیے سوا تھوڑی سی رات کے یعنی نصف رات یا اس نصف سے کچھ کم کر دے یا اس پر کچھ بڑھا کر۔ اور قرآن خوب صاف صاف پڑھا کیجیے۔ ہم آپ پر عنقریب ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں

(۱۲۹) ان لك فی النهار سبحاً طویلاً واذکر اسم ربك وتبتل الیه تبتیلاً (ایضاً)

بے شک آپ کے ذمہ دن میں بہی بہت کام ہے اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرتے رہیے۔ اور سب سے کٹ کر اس کی طرف متوجہ رہیے۔

(۱۳۰) لا الٰہ الا ھو فاتخذہ وکیلا ۔ واصبر علیٰ ما یقولون واھجرھم ھجرًا جمیلا ۔ (ایضًا)

کوئی معبود نہیں سوا اس ایک کے، سو اُسی کو اپنا کارساز رکھئے اور یہ لوگ جیسی جیسی باتیں سناتے ہیں ان پر صبر کیجئے اور اُن سے خوبصورتی کے ساتھ الگ ہو جائیے ۔

آپ مامور ہی نہ تھے، بلکہ قرآن شہادت دیتا ہے کہ آپ عملاً بھی عبادت شاقہ انجام دیتے رہتے ۔

(۱۳۱) ان ربک یعلم انک تقوم ادنیٰ من ثلثی الیل ونصفہ وثلثہ (المزمل ۔ ع ۲)

آپ کا پروردگار واقف ہے کہ آپ دو دو تہائی رات، اور آدھی رات اور ایک ایک تہائی رات (عبادت کے لئے) کھڑے رہتے ہیں ۔

عبادت و ذکر و فکر و صبر کی تاکید ایک اور عنوان سے :۔

(۱۳۲) قم فانذر ۔ وربک فکبر ۔ وثیابک فطھر ۔ والرجز فاھجر ۔ ولا تمنن تستکثر ۔ ولربک فاصبر (المدثر ۔ ع ۱)

اُٹھئے، پھر ڈرائیے، اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے ۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھئے اور (بتوں کی) گندگی سے الگ رہئے ۔ اور کسی کو اس غرض سے نہ دیجئے کہ اس سے زیادہ حاصل کیجئے ۔ اور اپنے پروردگار کی خاطر صبر کرتے رہئے ۔

تذکیر کی تاکید ابھی آپ کو اتنی ہو چکی ہے ۔ اب اُسی کا ایک اور حکم ۔

(۱۳۳) فذکر ان نفعت الذکریٰ

آپ تذکیر کرتے رہئے اگر تذکیر کرنا

لا علیٰ)　　　　　　　　　　　　مفید ہوتا ہے

مشرکوں کے کہے میں نہ آنے، اور سجدہ سے حصولِ قرب کا
خری حکم۔

(۱۳۱) کَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ　　　　ہرگز نہیں، آپ اس (منکر مکذب) کا کہنا
اقْتَرِبْ　　　　(العلق)　　　　نہ مانئے۔ اور سجدہ کرتے رہئے اور قرب
حاصل کرتے رہئے۔

غرض یہ کہ جہاں تک عبدیت و مسئولیت کا تعلق ہے، حضرات
نبیاء نہ صرف عام افراد بشری کے ہم سطح ہوتے ہیں، بلکہ اُن پر
مہ داریاں اور فرائض تو عام افراد بشری سے زیادہ ہی عائد ہوتے
ہیں۔

باب (۲)

قدرت اور انبیاء

دوسری صفات کی طرح صفت قدرت بھی انبیاء برحق کی محدود ہی ہوتی ہے۔ اور شرک پسند قوموں کو ٹھوکر ان کی صفت علم کی طرح صفتِ قدرت ہی میں سب سے زیادہ لگی ہے۔ ہادیان طریق کو عموماً قادرِ مطلق ہی سمجھ لیا گیا ہے، اور اسی مفروضہ کی بنا پر حاجت روا و مشکل کشا بھی انہیں قرار دے لیا گیا ہے۔ قرآن مجید نے اس عقیدہ جاہلی کی تردید ہر پہلو اور ہر جہت سے کی ہے۔

پہلی اور سب سے مقدم بات یہ ہے کہ پیمبروں کا کام صرف تبلیغ پیام ہے یہ اپنی اُمت پر کوئی حاکم یا داروغہ بنا کر مسلط نہیں کیے جاتے، جو بہ جبر انہیں ہدایت پر لے ہی آئیں۔ رسول اللہ صلعم کو مخاطب کرکے ارشاد ہوتا ہے۔

(۱) انما انت مذکر ہ لست علیھم بمصیطر (الغاشیہ) — آپ تو بس نصیحت ہی کرنے والے ہیں کچھ ان پر مسلط (کرکے) نہیں (بھیجے گئے) ہیں۔

یہ ارشاد بار بار ہوا ہے۔

(۲) وما انت علیھم بوکیل (الانعام ع ۱۳) — آپ کچھ ان پر دار و غہ نہیں ہیں۔

یہی ہدایت ایک برائے نام لفظی فرق کے ساتھ۔

(۳) قل لست علیکم بوکیل (الانعام ع ۸) — کہہ دیجئے کہ میں تم پر کچھ دار و غہ نہیں ہوں

یا یوں۔

(۴) وما ارسلنک علیھم وکیلا (بنی اسرائیل ع ۶) — ہم نے آپ کو ان پر دار و غہ بنا کر نہیں بھیجا

یا پھر ذرا اور اضافے کے ساتھ

(۵) ارءیت من اتخذ الٰھہ ھوٰہ افانت تکون علیہ وکیلا (الفرقان ع ۴) — کیا آپ نے اس کے حال پر بھی نظر کی، جس نے اپنا خدا اپنی خواہش کو بنا لیا، تو کیا آپ اس پر مسلط ہو کر رہ سکتے ہیں؟

ایک جگہ اور یہی مضمون ذرا تغیر لفظی کے ساتھ

(۶) وما انت علیھم بجبار (قٓ ع ۱۳) — تو آپ ان پر کچھ جبر کرنے والے تو ہیں نہیں۔

ایک جگہ اور، ایک دوسرے لفظ کے ساتھ۔

(۷) وما جعلنٰك عليهم حفيظا ‏ ‏ اور ہم نے آپ کو ان پر کچھ نگہبان بنایا نہیں۔ (الانعام ع ۱۳)

اور اسی مضمون کو خود پیمبر کی زبان سے دو دو بار ادا کرایا ہے

(۸) وما انا عليكم بحفيظ (الانعام ع ۱۳) ‏ ‏ اور میں تم پر کچھ نگہبان تو ہوں نہیں

(۹) " " (ہود ع ۸) "

کہیں اسی مضمون کو سوالیہ انداز میں دہرایا ہے۔

(۱۰) افانت تكره الناس حتى يكونوا مؤمنين (یونس ع ۱۰) ‏ ‏ تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔

یہ غلط فہمی ایک طرف تو منکروں اور مشرکوں کو منصب رسالت سے متعلق تھی کہ وہ اسے بھی رسالت کا ایک جزو سمجھ رہے تھے کہ پیمبر کسی طرح زبردستی اپنی امت دعوت کو ایمان لے آنے پر مجبور بھی کر دیں اور اوپر کی ساری آیتیں اسی غلط فہمی کے ازالہ کے لئے تھیں۔ لیکن دوسری طرف خود پیمبروں اور بالخصوص ہمارے پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ افراط شفقت کی بنا پر دل سے یہی دھن لگی ہوئی تھی کہ مخاطبین میں کوئی بھی نعمت ایمان سے محروم نہ رہے اور سب کے سب دعوت توحید قبول ہی کر لیں۔ اس لئے خود ان حضرات کو بھی بار بار آگاہ کیا گیا کہ آپ کو نہ یہ قدرت حاصل، اور نہ آپ کی خواہش کو اس میں کچھ دخل۔ یہ دعوت ایمان کا قبول ورد، اللہ تعالیٰ نے تمامتر اپنی مشیت تکوینی کے ماتحت رکھا ہے

حضورؐ کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے۔

(۱۱) وما اکثر الناس ولو حرصت بمؤمنین (یوسف ع ۱۱) — اکثر لوگ ایمان نہیں لانے کے، گو آپ کو (اس کی) حرص ہی کیوں ہو۔

دوسری جگہ یہ مضمون یوں آیا ہے کہ اندھے جب اپنی قوت ارادی سے کے کر راستہ دیکھنا ہی نہیں چاہتے، تو آپ انھیں کیسے راہ راست پر لا سکتے ہیں۔

(۱۲) افانت تھدی العمی ولو کانوا لا یبصرون (یونس ع ۵) — تو کیا آپ اندھوں کو راہ دکھا دیں گے درآنحالیکہ وہ بصارت سے کام لینا ہی نہیں چاہتے؟

اور اس سے معاً پہلے

(۱۳) افانت تسمع الصم ولو کانوا لا یعقلون (ایضاً) — تو کیا آپ بہروں کو سنا دیں گے درآنحالیکہ وہ سمجھنا ہی نہیں چاہتے؟

آیت کے یہی دونوں جزو پھر ایک جگہ دہرائے گئے ہیں۔

(۱۴) افانت تسمع الصم او تھدی العمی (الزخرف ع ۴) — تو کیا آپ بہروں کو سنا دیں گے، یا اندھوں کو راہ دکھا دیں گے؟

اور اسی سے ملتا جلتا مضمون ایک جگہ اور ہے،

(۱۵) انک لا تسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعآء اذا ولوا مدبرین وما انت بھدی العمی عن ضللتھم۔ (النمل۔ ع ۶) — آپ یقیناً نہ مُردوں کو سنا سکتے ہیں اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں، جبکہ وہ پیٹھ موڑ کر بھاگ رہے ہوں اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہ راست پر لا سکتے ہیں۔

اور یہی آیت برائے نام لفظی بلکہ حرفی فرق کے ساتھ، سورۃ الروم ع ۵ میں ——— غرض یہ کہ پیمبروں کی بے بسی قبول ہدایت خلق کے باب میں واضح سے بھی بڑھ کر واضح ہے۔

پیمبروں، خصوصاً ہمارے پیغمبر اعظم صلعم کو بار بار بتایا گیا، کہ انکی حیثیت بس ایک یاد دلانے والے، نصیحت کرنے والے۔ تبلیغ کرنے والے کی ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں، ہدایت کا اختیار تمامتر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

(۱۶) انما انت نذیر واللہ علی کل شیئ وکیل (ہود ع ۲) — آپ تو بس ایک ڈرانے والے ہیں اور ہر چیز کا مختار اللہ ہے۔

(۱۷) انما انت مذکر (الغاشیہ) — آپ تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک یاد دلانے والے ہیں

(۱۸) وما ارسلنٰک الا مبشرا و نذیرا۔ (بنی اسرائیل ع ۱۲) — ہم نے آپ کو تو بس بشیر و نذیر ہی بنا کر ہی بھیجا ہے۔

(۱۹) وما علی الرسول الا البلاغ المبین (النور۔ ع ۷) — پیمبر کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے (احکام ہدایت کا)

اور یہی آیت مکرر ہو کر العنکبوت ع ۲ میں بھی آئی ہے۔
کہیں خود پیمبر کی زبان سے یہ کہلایا گیا ہے۔

(۲۰) فمن اھتدیٰ فانما یھتدی لنفسہٖ ومن ضل فقل انما — جس کسی نے راہ ہدایت اختیار کی، اس نے اپنے ہی لئے اختیار کی، اور جو گمراہ

انا من المنذرین (النمل ع ۷) رہا تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تو بس ایک ڈرانے والا ہی ہوں ۔

(۲۱) ان انت الا نذیر (الفاطر ۔ ع ۴) آپ تو بجز اس کے کہ ایک ڈرانے والے ہیں اور کچھ نہیں ۔

آنحضورؐ کو مخاطب کرکے خاص طور پر یہ تلقین ہوئی ہے کہ آپ ایسے راہ پر نہیں لا سکتے ہیں جسے آپ چاہیں ، بلکہ یہ تو تمامتر اللہ کے ہاتھ میں ہے

(۲۲) انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشآء (القصص ۔ ع ۶) آپ اسے ہدایت نہیں دے سکتے جسے آپ چاہیں ، بلکہ اللہ ہی راہ ہدایت دکھلا دیتا ہے جس کے لئے اس کی مشیت ہوتی ہو

ایک پیمبر کی زبان سے یہ کہلایا ہے کہ میری ساری ہی ساری کوشش تبلیغ بے اثر رہے گی ، اگر مشیت الٰہی قبول حق کی تائید میں نہیں

(۲۳) ولا ینفعکم نصحی ان اردت ان انصح لکم ان کان اللہ یرید ان یغویکم ھو ربکم والیہ ترجعون (ہود ۔ ع ۳) (نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا) میری خیر خواہی تمہارے کچھ کام نہیں آسکتی اگرچہ میں تمہاری کیسی ہی خیر خواہی کروں ۔ جبکہ اللہ ہی کا ارادہ تمہیں گمراہ رکھنے کا ہو ۔ وہی تمہارا پروردگار ہے ۔ اور اسی کی طرف تم واپس کئے جاؤ گے ۔

منکرین و مشرکین اپنے وقت کے پیمبروں سے برابر طالب معجزہ و خارق عادت کے ہوتے رہے ہیں اور انھیں یہ تبلیغ کرتے رہے ہیں کہ اگر برحق خدا رسیدہ ہو تو فلاں فلاں انہونی بات کرکے دکھلا دو ،

ظاہر ہے کہ ایسے موقع پر دین حق کی نصرت و غلبہ کے لئے حضرات انبیاء کیسی کچھ آرزو اور تڑپ چیلنج کی منظوری کی رکھتے ہوں گے اور کیسے بے قرار ہو کر رہتے ہوں گے، کہ منکروں کے مطالبے کسی طرح بھی پورے ہو کر رہیں۔ اس سب کے باوجود تعلیم اسی حقیقت کی ہوتی رہی، کہ انبیاء کے اختیار میں کیا ہے، یہ سب تو محض اختیار خداوندی میں ہے۔

کہیں یہ حقیقت ایک کُلّی صورت میں بیان کی ہے۔

(۴۴) وما کان لرسول ان یاتی بآیۃ الا باذن اللہ (الرعد ع ۶) — کسی رسول کے بس میں یہ نہیں کہ وہ ایک نشان (خاص) بھی بغیر اللہ کے حکم کے لا سکے۔

اور اسی حقیقت کو انھیں لفظوں میں ایک بار پھر سورۃ المؤمن ع ۸ میں دہرایا ہے۔ اور کہیں اسے خود پیمبروں کی زبان سے ادا کرایا ہے۔ عین موقع اشتعال پر اور منکروں کے چیلنج کے وقت،

(۴۵) وما کان لنا ان ناتیکم بسلطٰن الا باذن اللہ۔ (ابراہیم۔ ع ۲) — یہ ہمارے بس میں نہیں کہ ہم تمہیں کوئی معجزہ دکھا سکیں سوا اس صورت کے کہ اللہ ہی کا حکم ہو۔

اس آیت کا سیاق یہ ہے کہ اگلی اُمتیں اپنے پیمبروں سے شدید انکار کے ساتھ پیش آئی ہیں، اور انھیں دعوت دی ہے کہ بڑے سچے ہو تو کوئی معجزہ لا دکھاؤ نہ۔

اور پھر یہ حقیقت تو سادہ طور پر نبی برحق صلعم کی زبان سے ادا کرائی ہے

کہ معجزات تو اللہ ہی اپنی قدرت سے دکھاتا ہے، اور میرا کام تو صرف متنبہ و خبردار کر دینا ہے۔

(۲۶) قل انما الآیات عند اللہ و انما انا نذیر مبین (العنکبوت ع ۵)	آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو بس اللہ ہی کے پاس ہیں، اور میں تو محض ایک کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔
(۲۷) قل انما الآیات عند اللہ (الانعام ع ۱۳)	آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو بس اللہ ہی کے پاس ہیں۔

منکروں کی طرف سے مطالبے معجزے ہی کے ہوتے تھے اور جواب میں پیمبر کی بے اختیاری کا بیان ہوتا تھا۔

(۲۸) ویقول الذین کفروا لولا انزل علیہ آیۃ من ربہ انما انت منذر و لکل قوم ھاد (الرعد ع ۱)	اور کافر یہ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی نشانی ان کے پروردگار کی طرف سے کیوں نہ اتری (حالانکہ) آپ تو محض ڈرانے والے ہی ہیں، اور ہر قوم کے لئے ایک رہبر ہے

اور کہیں اس عجز اور بے اختیاری کا اظہار خود پیمبر کی زبان سے کرایا ہے

(۲۹) ماعندی ما تستعجلون بہ ان الحکم الا للہ (الانعام ع ۷)	میرے پاس وہ نہیں جس کے لئے تم جلدی مچا رہے ہو، اختیار تو بس تمامتر اللہ ہی کا ہے

یا اسی سے ملتے جلتے ہوئے الفاظ۔

(۳۰) قل لو ان عندی ما تستعجلون بہ لقضی الامر بینی وبینکم	آپ کہہ دیجئے کہ میرے پاس اگر وہ ہوتا جس کی تم جلدی مچا رہے ہو، تو بس میرا تمہارا

فیصلہ ہی (ابتک) ہو چکا ہوتا۔ (ایضاً)

پیمبروں کو ہدایت یہ ہوتی ہے کہ منکروں سے کہہ دیں، کہ نتائج کا انتظار تم بھی کرو اور میں بھی کر رہا ہوں۔

(۳۱) قل انتظروا انا منتظرون — آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ تم بھی انتظار کرو اور ہم لوگ بھی انتظار کر رہے ہیں (الانعام ع ۲۰)

ایک جگہ حضرت عیسیٰؑ کے معجزات عجیب کا ذکر ہے، کہ اُن کی پھونک سے مصنوعی پرندے اڑنے لگتے تھے۔ اور نابینا اور برص اُن سے اچھے ہو جانے تھے، ان سب جگہ قید "باذنی" (میرے حکم سے) کی لگی ہوئی ہے۔ اور آیت متعلقہ کے اندر یہ لفظ تین تین بار آیا ہے (المائدہ۔ ع ۱۵)

پھر پیغمبر اپنی والی جو کچھ سعی اصلاح کرتے ہیں اُسے بھی منسوب اپنی جانب نہیں کرتے۔ وہ جو کچھ بھی ان سے بن پڑتی ہے۔ وہ محض توفیق الٰہی سے ہوتی ہے۔ ایک پیمبر برحق حضرت شعیبؑ کی زبان سے اس کا پورا اعتراف موجود ہے۔

(۳۲) ان ارید الا الاصلاح ما استطعت ؕ وما توفیقی الا باللہ ؕ علیہ توکلت والیہ انیب۔ (ہود۔ ع ۸)

میں تو بس اصلاح ہی چاہتا ہوں۔ جتنی بھی میرے بس میں ہو۔ اور مجھے جو کچھ بھی توفیق ہو جاتی ہے۔ وہ بھی بس اللہ ہی کی مدد سے اسی پہ بھروسا رکھتا ہوں، اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

پیمبروں کے لئے ظاہری قوت و غلبہ ہرگز لازمی نہیں۔ بہت مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ وہ منکروں کا مقابلہ مادی قوت سے بالکل نہ کرسکے۔ اور اس کا اظہار بھی حسرت سے کیا ہے۔ حضرت لوطؑ مخالفین کی یورش و یلغار دیکھ کر بولے۔

(۳۳) لوان لی بکم قوۃ اواوی الی رکن شدید (ہود۔ ع ۷) — کاش مجھ میں تمہارے مقابلہ کی قوت ہوتی، یا میں کسی مضبوط پائے کی پناہ پکڑتا۔

اور حضرت نوحؑ نے تو عاجز آکر دعا ہی یہ کی ہے۔

(۳۴) انی مغلوب فانتصر (القمر ع ۱) — میں درماندہ ہوں تو تو (میری طرف سے) انتقام لے لے۔

حضرت ہارونؑ نے اپنے ہی والوں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو مغلوب پایا۔ اور وہ بھی اس درجہ کہ قتل ہوتے ہوتے بچے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ جب پہاڑ سے واپس آئے، تو آپؑ نے اُنؑ سے اسی طرح فریاد کی۔

(۳۵) قال ابن ام ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی (الاعراف۔ ع ۱۸) — بولے کہ اے میرے ماں جائے (بھائی) ان لوگوں نے مجھے (بالکل ہی) ضعیف سمجھ لیا، اور قریب تھا کہ مجھکو ہلاک کر ڈالیں،

اور خود حضرت موسیٰؑ نے اپنی بے بسی اپنی ہی قوم کے مقابلہ میں پوری طرح محسوس کی ہے۔ اور اللہ سے اس کی فریاد کی ہے۔

(۳۶) قال رب انی لا املک — عرض کی کہ اے پروردگار میں تو بس اپنی

اِلّا نفسی واخی فافرق بیننا وبین القوم الفاسقین (المائدہ ع ۴)
جان اور اپنے بھائی ہی پر اختیار رکھتا ہوں تو تو ہی ہم دونوں، اور اس نافرمان قوم کے درمیان فیصلہ کر دے۔

منکروں نے بعض پیمبروں سے خود ہی بڑی بے باکی سے اپنے غلبہ و تفوق اور پیمبروں کی بے بساطی کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ حضرت شعیبؑ کی قوم ان سے کہتی ہے۔

(۳۷) وانا لنرٰیک فینا ضعیفا ولولا رھطک لرجمنٰک وما انت علینا بعزیز (ہود ع ۸)
ہم تو تم کو اپنے درمیان کمزور ہی پا رہے ہیں۔ اور اگر تمہاری برادری کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم تم پر تو پتھراؤ ہی کر چکے تھے۔ اور تم ہمارے مقابلے میں کچھ طاقتور تو ہو نہیں

پیمبروں میں معصیتوں سے بچے رہنے کی جو قوت ہوتی ہے، یہ بھی اُن کی ذاتی نہیں، اللہ ہی کی مدد کا ایک ظہور ہوتا ہے۔ حضرت یوسفؑ کے قصے میں ہے کہ جب زوجۂ عزیز نے آپؑ کو شریک معصیت کرنا چاہا ہے، تو قریب تھا کہ آپؑ بھی مائل ہو جاتے، کہ حق تعالیٰ کی طرف سے کسی تائید مخصوص نے آپؑ کو بالکل باز رکھا۔

(۳۸) لقد ھمت بہٖ وھم بھا لولا ان را برھان ربہٖ (یوسف ع ۲)
اس عورت کے دل میں تو ان کا خیال جم ہی چکا تھا، اور ان کو بھی اس کا خیال ہو چلا تھا، اگر اپنے پروردگار کی دلیل (صریح) کو انھوں نے دیکھ لیا ہوتا۔

پیمبروں کو حق شفاعت دیا گیا ہے، اور ہمارے رسولؐ کا استغفار تو گنہگاروں کے حق میں ایک نعمت ہے۔ لیکن ہمارے رسولؐ کا بھی یہ اکرام عظیم، مستقل اور مطلق نہیں۔ موقعے ایسے بھی آئے۔ جہاں آپ کا یہ استغفار بے اثر رہا۔ منافقین عہد رسولؐ کے باب میں ہے۔

(۳۹) سوآء علیھم استغفرت لھم ام لم تستغفر لھم لن یغفر اللہ لھم (المنافقون ع ۱)	ان لوگوں کے حق میں برابر ہے، آپ اُن کے حق میں استغفار کریں یا نہ کریں اللہ ان کی مغفرت ہرگز نہ کرے گا۔

دوسری جگہ یہی مضمون اور زیادہ شدت بیان کے ساتھ آیا ہے

(۴۰) استغفر لھم او لا تستغفر لھم ان تستغفر لھم سبعین مرۃً فلن یغفر اللہ لھم۔ (التوبۃ ع ۱۰)	آپ ان کے حق میں استغفار کریں یا نہ کریں۔ آپ اگر ستّر بار بھی اُن کے حق میں استغفار کریں جب بھی اللہ ان کی مغفرت نہ کرے گا۔

دوسروں کے نفع و ضرر پر قادر ہونے کی نفی مطلق پیمبروں کی ذات سے کر دی گئی ہے۔ خود حضورؐ کو حکم ملا ہے۔

(۴۱) قل انی لا املک لکم ضرًا ولا رشدًا (الجن۔ ع ۲)	آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے حق میں کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہوں، نہ کسی بھلائی کا۔

اور دوسروں کے حق میں نافع یا ضار ہونا الگ رہا، پیمبروں کو یہ تعلیم ملی ہے کہ خود اپنے ہی نفع و ضرر پر وہ قدرت نہیں رکھتے۔ نبی کریم صلعم کو

حکم ملا ہے۔

(۴۲) قل لا املک لنفسی ضرا ولا نفعا الا ما شاء اللہ (یونس۔ ع ۵)

آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنی ذات تک کے لئے تو کسی نفع اور ضرر کا اختیار رکھتا نہیں۔ ہاں اللہ ہی کو جتنا منظور ہو۔

بلکہ یہاں تک ارشاد ہو گیا ہے۔

(۴۳) قل انی لن یجیرنی من اللہ احد ولن اجد من دونہ ملتحدا (الجن۔ ع ۲)

آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اللہ سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا، اور نہ میں اس کے سوا پناہ پا سکتا ہوں۔

عبدیت کامل، اور ہر طرح سے نفئ اختیار و قدرت کی تصویر اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی۔

باب (۳)

غم اور انبیاء

غصہ، خوف، خوشی، وغیرہ کی طرح غم و حزن بھی بشر کی ایک طبعی کیفیت کا نام ہے۔ اور حضرات انبیاء اس جذبہ سے بھی ماوراء و مستثنیٰ نہیں ہوتے۔ غم، حزن، ملال، ناگواری جس طرح سب کے لئے ہیں۔ پیمبروں کے لئے بھی امر طبعی ہیں۔

حضرت موسیٰ کے تذکرے میں ایک بار نہیں، دوبار آیا ہے کہ جب آپ، اپنی قوم کی گوسالہ پرستی کی اطلاع وحی الٰہی سے پاکر کوہ طور سے یہ عجلت واپس تشریف لائے ہیں۔ تو غصہ کے ساتھ ساتھ رنج و ملال سے بھی بھرے ہوئے تھے

(۱) ولما رجع موسیٰ الی قومہ غضبان اسفا (اعراف ۔ ع ۱۸)	اور موسیٰ جب اپنی قوم کی طرف واپس لوٹے غصہ اور رنج سے بھرے ہوئے تھے
(۲) فرجع موسیٰ الی قومہ	اور موسیٰ واپس آئے اپنی قوم کی طرف

غضبان اسفًا (طٰہٰ ۔ ع ۴) غصہ اور رنج سے بھرے ہوئے۔

حضرت یوسفؑ جیسے محبوب فرزند کے فراق میں حضرت یعقوبؑ کے ملال و شدت حزن کا بیان تفصیل اور تکرار سے آیا ہے۔ ایک جگہ اپنے لڑکوں کو مخاطب کرکے کہتے ہیں۔

(۳) قال انی لیحزننی ان تذھبوا به واخاف ان یاکله الذئب (یوسف۔ ع ۲)

آپ بولے کہ مجھے یہ بات غم میں ڈالتی ہے کہ تم (یوسف کو) اپنے ساتھ لے جاؤ اور مجھے اندیشہ ہے انھیں بھیڑیا کھا جائے۔

اور پھر جب فراق یوسف میں ایک عرصہ گزر چکا، اس وقت آپ کے غم و الم کا منظر۔

(۴) وقال یاسفٰی علی یوسف و ابیضت عینٰه من الحزن وھو کظیم (یوسف۔ ع ۱۰)

اور آپ بولے، ہائے یوسف! اور آپ کی آنکھیں غم سے (روتے روتے) سفید ہوگئیں اور آپ گھٹ گھٹ کر رہ رہے تھے۔

اور فرزندان یعقوب اپنے والد ماجد کی شدت غم کا تاثر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

(۵) قالوا تاللہ تفتؤا تذکر یوسف حتٰی تکون حرضًا او تکون من الھٰلکین (ایضًا)

وہ بولے، کہ آپ سدا یوسف کی یاد ہی میں لگے رہیں گے، یہاں تک کہ گھل کر دم بلب ہو جائیں گے، یا یہ کہ بالکل مر ہی جائیں گے

ظاہر ہے کہ یہ دونوں منظر کتنے شدید ہی غم و الم کے مظہر ہو سکتے ہیں حضرت یعقوب اپنے لڑکوں کے جواب میں جو کچھ فرماتے ہیں،

اس میں اس شدت تاثر سے ذرا انکار نہیں کرتے، صرف اس کا رُخ ایک مردِ خدا کی طرح، بجائے مخلوق کے خالق کی طرف پھیر دیتے ہیں

(۶) قال انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ (ایضاً)	آپ بولے کہ میں اپنے درد و غم کا دکھڑا تم سے کہیں تھوڑے روتا ہوں، صرف (اپنے اللہ کے سامنے روتا ہوں۔

اس کے بعد حضرت یوسف جب اپنے کو سگے بھائیوں پر ظاہر کر چکے ہیں، تو اپنے والد ماجد کے افراط غم کا علاج یہ تجویز کرتے ہیں کہ اپنا پیراہن ان کی آنکھوں پر ڈال دیں، جس سے ان کی کھوئی ہوئی بینائی پھر واپس آجائے گی۔

(۷) اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علی وجہ ابی یات بصیرا (ایضاً)	(یوسف بولے کہ) میرے اس پیراہن کو لئے جاؤ، اور اسے میرے والد کے چہرے پر ڈال دو، ان کی آنکھیں روشن ہو جائینگی

چنانچہ یہی علاج کارگر ہوا۔ اور اس تدبیر سے آپ کی بینائی واپس آ گئی

(۸) فلما ان جاء البشیر القہ علی وجھہ فارتد بصیرا (یوسف ع ۱۰)	پھر جب خوش خبری لانے والا آپہنچا، تو اس نے وہ پیراہن آپ کے چہرے پر ڈال دیا۔ اور اس سے آپ کی بینائی واپس آگئی

اللہ اکبر، کیا ٹھکانا ہے اس تعلق قلب کا جو اس پیمبر برحق کو اپنے صاحبزادے کے ساتھ تھا۔

حضرت نوح نے اپنی قوم پر جب اپنی ساری تبلیغی کوششیں ضایع

جاتے دیکھیں تو رنج و ملال پیدا ہونا طبعی تھا۔ اُن سے ارشاد ہوا ہے۔

(۹) فلا تبتئس بما کانوا یفعلون ۔ جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں اس پر تاسف نہ کرو۔ (ہود۔ ع ۴)

حضرت لوطؑ کے تذکرے میں ہے کہ جب فرشتے نوعمر لڑکوں کی شکل میں آپ کے پاس پہنچے تو قدرۃً آپ کو بڑا تردد اور بڑا اندیشہ پیدا ہوا جس پر اُن فرشتوں کو آپ کو سمجھانا پڑا۔

(۱۰) ولما ان جاءت رسلنا لوطاً سیٓء بھم وضاق بھم ذرعاً و قالوا لا تخف ولا تحزن (العنکبوت ع ۴)

اور جب ہمارے وہ فرشتے لوط کے ہاں پہنچے، تو لوط اُن کے باعث مغموم ہوئے اور ان کے باعث تنگ دل ہوئے اور وہ فرشتے کہنے لگے کہ آپ اندیشہ نہ کریں اور نہ مغموم ہوں

خوبرو حسین لڑکوں کے آجانے سے، اس فضا اور ماحول میں ایک باعزت شریف انسان کو فکر و تشویش قدرتی تھی، اور وہ آپ کو بھی ہو کر رہی۔

حضرت یونسؑ کے ذکر میں آتا ہے کہ جب وہ ایک مرتبہ مچھلی کے پیٹ میں قید تھے، تو عام انسانوں کی طرح انھوں نے بھی گھٹن محسوس کی، اور اس گھٹن سے نجات پانے کی انھوں نے دعا کی۔ اور اس دعا کو قبول کرکے انھیں اس غم سے نجات بخشی گئی۔ اور ایسی نجات مومنین کے لئے عام ہے۔

(۱۱) فاستجبنا لہ ونجینہ من الغم ۔ سو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور انہیں

وکذٰلک ننجی المومنین (الانبیا ع ۶) — گھٹن سے نجات دی۔ اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔

خود حضور انور صلعم کو جو اذیتیں مخالفین و معاندین کی طرف سے پہنچتی تھیں جن سے آپؐ صدمہ و غم محسوس کرتے تھے، ان کا ذکر بھی قرآن مجید نے صراحت و تکرار کے ساتھ کیا ہے۔ مثلاً کہیں یوں کہ

(۱۲) ولقد نعلم انک یضیق صدرک بما یقولون۔ (الحجر ع ۶) — اور ہم کو خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ جو کچھ کہتے رہتے ہیں، اس سے آپ تنگدل ہوتے ہیں۔

یا ان الفاظ میں

(۱۳) قد نعلم انہ لیحزنک الذی یقولون (الانعام ع ۴) — ہم خوب جانتے ہیں کہ جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں، اس سے آپ کو رنج ہوتا ہے

اور کہیں یوں کہ مومنین کے درد دکھ کو رسولؐ اپنا درد دکھ محسوس کرتے ہیں۔

(۱۴) عزیز علیہ ما عنتّم (البراۃ ع ۱۶) — ان (رسول) پر گراں گزرتی ہے جو چیز تمہیں تکلیف دیتی ہے۔

کہیں آپؐ کو افراط غم و ملال سے روکا ہے۔

(۱۵) فلعلک باخع نفسک علیٰ اٰثارھم ان لم یؤمنوا بھٰذا الحدیث اسفًا (الکہف۔ ع ۱) — تو یہ لوگ اگر اس مضمون پر ایمان نہ لائے، تو آپ شاید ان کے پیچھے غم سے اپنی جان ہی دیدیں گے۔

یا اسی سے ملتے ہوئے مختصر تر لفظوں میں :۔

(۱۶) لعلك باخع نفسك الا يكونوا مومنين (الشعراء ع ۱)
آپ شاید اس پر اپنی جان ہی دے دیں، کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں۔

حزن و ملال، آپؐ کو کافروں کے انکار و عناد سے پیدا ہونا بالکل ایک امر طبعی تھا، اس سے آپ کو اور بھی متعدد موقعوں پر روکا گیا ہے

(۱۷) ولا یحزنك قولهم (یونس ع ۷)
ان لوگوں کی گفتگو آپ کو رنج میں نہ ڈالے۔

یا یوں کہ

(۱۸) ولا تحزن علیهم (الحجر ع ۶)
آپ ان لوگوں پر غم نہ کیجئے۔

یا ذرا اضافہ کے ساتھ یوں، کہ

(۱۹) ولا تحزن علیهم ولا تك في ضيق مما يمكرون (النحل ع ۱۶)
ان لوگوں پر آپ رنج نہ کیجئے اور جیسی چالیں یہ چلتے ہیں، اُن سے ملول نہ ہو جیے۔

اور یا پھر اس جامع عبارت میں، کہ

(۲۰) فلا تذهب نفسك علیهم حسرات (فاطر ع ۲)
کہیں ان پر افسوس کرتے کرتے آپ کی جان ہی نہ جاتی رہے۔

اتنی تصریحات سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ غم و حزن، صدمہ و ملال جس طرح ہر بشر کی زندگی کا جزو ہیں۔ حضرات انبیاء بھی ان سے خالی نہیں رہے ہیں۔

بشری جذبات میں خوف، مسرت وغیرہ ہی کی طرح ایک جذبہ غصہ یا غضب کا بھی ہوتا ہے، جو عموماً فرطِ غیرت سے پیدا ہوتا ہے۔ حضرات انبیاء گو بڑے حلیم، بڑے رحیم، بڑے نرم دل ہوتے ہیں، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ سرے سے اُن میں قوتِ غضبی ہوتی نہیں۔ یا وہ اشتعال کسی موقع پر قبول ہی نہیں کرتے۔ غصہ انھیں بھی دوسرے انسانوں کی طرح آتا ہے، البتہ اپنے محل ہی پر آتا ہے۔ بیجا اور خواہ مخواہ نہیں آجایا کرتا ـــــ اور یہ حال تو مومنین صادقین کا بھی ہے کہ اشتعال کے وقت عموماً وہ اس کے مقتضا پر عمل نہیں کرتے، بلکہ شانِ عفو ریتا کا پرتو دکھاتے رہتے ہیں۔

(۱) واذا ما غضبوا هم يغفرون   اور جب انھیں غصہ آتا ہے تو بجائے اس کے

مقتضا پر عمل کرنے کے) معاف کر دیتے ہیں (الشوریٰ ع ۴)

حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی کے غصہ کا ذکر قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ اور بار بار کیا ہے۔

حضرت جب کوہ طور پر توریت لینے گئے ہیں، اور اسرائیلیوں نے آپ کی غیبت میں گوسالہ پرستی شروع کر دی ہے، اور آپ کو اس کی اطلاع وہیں پہاڑ پر وحی الٰہی سے ملی ہے، تو آپ غیرتِ دینی سے جوش میں بھرے ہوئے بہ عجلت پہاڑ سے اترے ہیں، اور حضرت ہارون پر، جن کو آپ اپنا جانشین بنا گئے تھے، ناراضگی کا اظہار خصوصیت سے کیا ہے۔

(۲) ولما رجع موسیٰ الیٰ قومہ غضبان اسفا قال بئسما خلفتمونی من بعدی اعجلتم امر ربکم والقی الالواح واخذ براس اخیہ یجرہ الیہ۔

(الاعراف ع ۱۸)

اور جب موسیٰ اپنی قوم کی جانب واپس ہوئے غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے تو فرمایا کہ تم نے میرے بعد بڑی نامعقول حرکت کی۔ کیا اپنے پروردگار کے حکم سے پہلے ہی تم نے جلد بازی کر لی۔ اور (توریت) کی تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر انھیں اپنی طرف گھسیٹنے لگے۔

توریت کی تختیوں کو زمین پر پھینک دینا، اور اپنے بھائی پر، جو پیمبر بھی تھے جسمانی حملہ کر بیٹھنا، ظاہر ہے کہ انتہائی غیظ و غضب ہی میں ہو سکتا ہے ـــــ اور یہاں تو غصہ ظاہر ہے کہ کسی شخصی معاملہ میں نہیں

دین توحید کی توہین پر تھا۔

پھر چند ہی سطریں بعد ہے۔

(۳) ولما سکت عن موسی الغضب اخذ الالواح۔ (الاعراف ع ۱۹)
جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوگیا۔ (اور انھوں) نے تختیاں (زمین سے) اٹھالیں۔

اسی غیظ فی اللہ کا ذکر ایک دوسری جگہ اختصار و اجمال کے ساتھ ہے۔

(۴) فرجع موسیٰ الی قومہ غضبان اسفا (طٰہٰ ع ۴)
پھر موسیٰ اپنی قوم کی طرف واپس گئے غصہ اور رنج سے بھرے ہوئے۔

اور اس کے ذرا بعد ہے، کہ جب آپ نے حضرت ہارونؑ سے مواخذہ کیا ہے، کہ تم نے ان لوگوں کو اس صریح گمراہی سے روکا کیوں نہیں۔ تو جواب میں حضرت ہارونؑ کے الفاظ قابل غور ہیں۔

(۵) قال یبنؤم لا تاخذ بلحیتی ولا برأسی۔ (طٰہٰ ع ۵)
ہارون بولے، کہ اے میرے ماں جائے بھائی، میری داڑھی اور میرا سر نہ پکڑیئے (یعنی انھیں چھوڑ دیجئے)

اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت موسیٰؑ فرط غضب اور غیرت دینی میں جسمانی حملے کی کن حدود تک پہنچ گئے تھے۔

قرآن مجید یہ سارے تذکرے بغیر کسی نکیر یا شائبہ نکیر کے نقل کرتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایسے موقعوں پر یہ شدت غضب نہ صرف طبعی تھی، بلکہ جواز عقلی و شرعی بھی رکھتی تھی۔

ایک جگہ، اس سلسلے سے الگ، حضرت موسیٰ کی یہ دعا بھی فرعون اور فرعونیوں پر نقل ہوئی ہے۔

(۶) واشدد علیٰ قلوبھم فلا یؤمنوا حتیٰ یروا العذاب الالیم (یونس ع ۹)	ان کے مالوں کو تہس نہس کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے، کہ یہ ایمان نہ لانے پائیں یہانتک کہ عذاب دردناک کو دیکھ لیں

ظاہر ہے کہ ایسی بددعا، شدید غضب فی اللہ ہی کا نتیجہ ہو سکتی ہے حضرت یونسؑ بھی ایک پیمبر برحق ہی ہوئے ہیں۔ ان کے تذکرے میں ہے کہ جب اُن کے خیال کے مطابق عذاب حسب وعدہ اُن کی قوم پر نہ آیا، تو وہ غصہ سے مغلوب ہو کر، شہر چھوڑ کر چل کھڑے ہوئے

(۷) وذاالنون اذ ذھب مغاضبا فظن ان لن نقدر علیہ (الانبیاء ع ۶)	اور مچھلی والے (پیمبر) کا تذکرہ کیجئے جب وہ غصہ میں بھر کر چل کھڑے ہوئے اور یہ سمجھے کہ ہم ان پر گرفت نہ کر سکیں گے

حق تعالیٰ سے یہ بدظنی (بالکل وقتی طور پر سہی) صرف غضب شدید سے مغلوبیت ہی کی حالت میں ممکن ہے ـــــ غرض یہ کہ غضب، بلکہ شدت غضب بھی، جس طرح ساری نوع بشر کے لئے طبعی ہے۔ انبیاء و مرسلین کے لئے بھی ہے۔

باب (۵)

خوف اور انبیاء

غم، غضب، وغیرہ کی طرح خوف بھی بشری زندگی کا ایک لازمی جزو ہے، ڈر انسان کے لئے ایک طبعی چیز ہے۔ اور انسان ہر اس چیز سے ڈرتا رہتا ہے، جو اسے نقصان پہنچا دینے کی قوت رکھتی ہو نامعلوم، نامانوس، چیزوں سے وحشت اور گھبراہٹ بھی فطرت بشری میں داخل ہے۔

قرآن مجید نے دوسرے جذبات کے ساتھ اس جذبہ کا بھی اثر حضرات انبیاء کے حق میں زور و قوت کے ساتھ کیا ہے۔ اور خوف حزن کا نتیجہ اکثر ہوتا ہے، اس لئے قرآن مجید نے ان دونوں ذکر بھی کہیں کہیں ساتھ ساتھ کیا ہے۔

حضرت ابراہیم خلیل کے تذکرے میں [illegible] آپ کے

پاس کچھ اجنبی مہمان وارد ہوئے، اور آپ نے اُن کے سامنے کھانا
پیش کیا، جسے انھوں نے ہاتھ نہیں لگایا، تو آپ کو (اس زمانہ کے
دستور کے مطابق، کہ ڈاکو اور رہزن، جس کو لوٹنا چاہتے تھے، اس کے
ہاں کا کھانا نہیں کھاتے تھے) اُن سے خوف پیدا ہوا۔ اس پر اُن نو واردوں
نے آپ کو تسکین دی۔

(۱) فلما رآ ایدیھم لا تصل الیه نکرھم واوجس منھم خیفة ۵ قالوا لا تخف انا ارسلنا الی قوم لوط (ھود ع ۷)

جب ابراہیم نے دیکھا کہ ان (نو واردوں) کے ہاتھ اس (کھانے) تک نہیں جا رہے تو آپ ان سے متوحش ہوئے۔ اور اُن آپ کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ وہ (نو وارد) بولے، آپ ڈریئے نہیں ہم قوم لوط کی طرف فرستادہ

اور یہی مضمون ایک دوسری جگہ ہے۔ اور یہاں بھی خوف کے
دہرے ذکر کے ساتھ :-

(۲) فاوجس منھم خیفة قالوا لا تخف (الذاریات ع ۲)

آپ کے دل میں ان سے خوف پیدا ہوا وہ (نو وارد) بولے کہ آپ ڈریئے نہیں

اور پھر یہ مضمون ایک تیسری جگہ بھی وارد ہوا ہے، خوف کی
اسی صراحت اور اسی تکرار کے ساتھ :-

(۳) قال انا منکم وجلون ۵ قالوا لا توجل انا نبشرک بغلم علیم (الحجر ع ۴)

ابراہیم بولے، ہم کو تم لوگوں سے ڈر معلوم ہے وہ بولے ڈریئے نہیں ہم آپ کو ایک صاحب علم لڑکے کی خوشخبری سناتے ہیں۔

ایک جگہ یہ مزید تصریح بہ طور ضمیمہ کے آئی ہے۔

۴) فلمّا ذهب عن ابرٰهیم الرّوع وجاءته البشرٰی (ہود ع ۷)	پھر جب ابراہیم کے دل سے دہشت دور ہو چکی، اور انھیں خوشخبری مل چکی الخ

یہی اللہ کے فرشتے جب نوجوان خوبرو لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط کے پاس پہنچے ہیں، تو قدرۃً آپ کو بھی تردد و تشویش ہی نے گھیرا۔

۵) ولمّآ ان جاءت رسلنا لوطًا سیٓء بهم وضاق بهم ذرعًا وقالوا لا تخف ولا تحزن (العنکبوت ع ۴)	اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس پہنچے، تو آپ ان کے سبب مغموم ہوئے اور ان کے سبب تنگ دل ہوئے تو اُن (فرشتوں) نے کہا کہ نہ ڈریئے اور نہ ملول ہوجیے

حضرت لوطؑ نے اس موقع پر اپنے ہم قوموں سے جو گفتگو کی ہے اس سے آپ کی تشویش عیاں ہو رہی ہے۔

(۶) فاتّقوا الله ولا تخزون فی ضیفی الیس منکم رجل رّشید (ہود ع ۷)	اللہ سے ڈرو، اور مجھے میرے مہمانوں کے سامنے ذلیل نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں؟

حضرت یعقوبؑ کے صاحبزادے جب آپ کے پاس آکر یوسفؑ کو اپنے ساتھ جنگل لے جانے کی اجازت چاہتے ہیں، تو آپ پر حالات کے عین مطابق اور طبعی طور پر تردد و تشویش کا غلبہ ہوتا ہے۔

(۷) قال انّی لیحزننی ان تذهبوا	یعقوبؑ بولے مجھے (اس سے) فکر ہو رہی ہے کہ

به واخاف ان یاکله الذئب — تم یوسف کو اپنے ساتھ لے جاؤ، اور ڈرتا ہوں
(یوسف ع ۲) — انھیں بھیڑیا کھا جائے۔

حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے جب ایک مصری (قبطی) ناوانستہ قتل ہوگیا۔ تو آپ پر انجام کے خیال سے وحشت طاری ہوئی۔

(۸) فاصبح فی المدینة خائفا یترقب — شہر میں موسیٰ نے صبح کی۔ خوف اور دہشت
(القصص ع ۲) — کی حالت میں۔

پھر جب شہر چھوڑ کر آپ وہاں سے روانہ ہوئے ہیں تو بھی اسی حالت میں، اور اللہ سے دعا اور پناہ مانگتے ہوئے۔

(۹) فخرج منھا خائفا یترقب قال — آپ شہر سے نکلے خوف اور دہشت کی حالت
رب نجنی من القوم الظالمین — میں، اور عرض کی کہ اے میرے پروردگار!
(ایضا) — ظالموں سے نجات دے۔

ان کی تسکین و تسلی کے لئے غیب سے جو صدا آئی، اس میں بھی صراحت خوف کی

(۱۰) قال لا تخف نجوت من القوم الظالمین — ارشاد ہوا کہ ڈرو نہیں، تمہیں ظالم لوگوں
(القصص ع ۳) — نجات مل گئی۔

یہی حضرت موسیٰ جب منصب نبوت پر سرفراز ہو چکے ہیں اور دعوت کے ساتھ مصر و والی مصر کی طرف بھیجے جا رہے ہیں، تو اس وقت بھی اندیشہ سے آپ خائف ہیں۔

(۱۱) قال رب انی قتلت منھم — (موسیٰ نے) عرض کی اے میرے پروردگار
نفسا فاخاف ان یقتلون — ان لوگوں میں سے ایک شخص کو ہلاک کر چکا

(القصص ع ۴) اور اندیشہ رکھتا ہوں کہ لوگ مجھے نہ مار ڈالیں

پھر خود تبلیغ رسالت کے صلے میں بھی آپ کو اور آپ کے بھائی حضرت ہارون کو، کہ وہ بھی پیمبر ہیں۔ ادھر سے ظلم اور زیادتی کا خوف و اندیشہ ہی ہے۔ اور آپؑ کو تسکین اسی سلسلے میں دی جاتی ہے۔

(۱۲) قالا ربنا اننا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغی قال لا تخافا اننی معکما اسمع واری (طٰہٰ ع ۲) دونوں نے عرض کی کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو تو یہ ڈر ہے کہ وہ ہمارے اوپر زیادتی کر بیٹھے یا (اور زیادہ) سرکشی اختیار کرے ارشاد ہوا کہ تم دونوں ڈرو نہیں۔ میں تمھارے ساتھ رہوں گا، سنتا ہوا اور دیکھتا ہوا۔

اور حضرت موسیٰ نے تو اور زیادہ خوف و اندیشہ کا اظہار، فرعون اور فرعونیوں کی طرف سے کیا۔

(۱۳) قال رب انی اخاف ان یکذبون ویضیق صدری ولا ینطلق لسانی فارسل الی ہارون ولھم علیّ ذنب فاخاف ان یقتلون (الشعراء ع ۲) حضرت موسیٰ نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار میں اندیشہ کرتا ہوں کہ وہ لوگ مجھے جھٹلائیں نہیں، اور میرا دل تنگ ہو رہا ہے۔ اور میری زبان نہیں چل رہی ہے۔ تو تو میرے ہمراہ ہارون کو کر دے۔ اور ان لوگوں کا ایک جرم بھی تو میں کر چکا ہوں۔ تو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھے مار ہی ڈالیں۔

پھر جب انھیں حضرت موسیٰ کا مقابلہ دربار فرعون کے ساحروں سے آپڑا ہے۔ اور انھوں نے شعبدہ بازی کے زور سے رسیوں کے سانپ بنا بنا کر دوڑا دیے ہیں۔ تو پھر یہ پیمبر برحق وقتی طور پر ڈر گئے ہیں۔

(۱۴) فاوجس فی نفسه خیفۃ موسیٰ قلنا لاتخف انک انت الاعلیٰ (طٰہٰ ع ۳)

اب موسیٰ کو اپنے دل میں کچھ خوف معلوم ہوا، ہم نے کہا کہ ڈرو نہیں، غالب تم ہی رہو گے۔

لفظ خوف کا مکرر آنا تاکید ہی کے لئے ہے، خواہ مخواہ اور بلاضرورت نہیں اور یہ تو خیر دشمن سے مقابلہ کا میدان تھا، جب حضرت موسیٰ کو عصا کے سانپ بن جانے کا معجزہ عطا ہوا تو باوجودیکہ آپ کے انتہائی اکرام و عزت افزائی کا موقع تھا، آپ پر خود اپنے ہی معجزہ کو دیکھ کر انتہائی خوف طاری ہوا۔

(۱۵) فلما راٰھا تھتز کانھا جان ولّٰی مدبرا ولم یعقب یموسیٰ لاتخف انی لایخاف لدی المرسلون (النمل ع ۱)

اور جب آپ نے اس (عصا) کو لہراتے ہوئے دیکھا کہ جیسے وہ سانپ ہو، تو آپ اُلٹے پیروں بھاگے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا، اے موسیٰ ڈرو نہیں، ہمارے سامنے پیمبر ڈرا نہیں کرتے

اور یہی مضمون ایسی ہی صراحت و تاکید کے ساتھ ایک دوسری جگہ:

(۱۶) فلما راٰھا تھتز کانھا جان ولّٰی مدبرا ولم یعقب یموسیٰ اقبل ولاتخف انک من الاٰمنین (القصص ع ۴)

پھر جب آپ نے اس (عصا) کو دیکھا کہ وہ لہرا رہا ہے، جیسے کہ سانپ، تو آپ اُلٹے پیروں بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا، اے موسیٰ سامنا کرو اور ڈرو نہیں، تم ہر طرح محفوظ ہو

غرض انتہائی خوف بلکہ دہشت ناک کی کیفیت اور وہ بھی مادی خوفناک چیزوں سے پیمبر دل پر برابر طاری ہوتی رہی ہے۔ اور اس حیثیت سے پیمبر عام فطرت بشری سے ماورا نہیں ہوتے۔

باب (۶)

نسیان اور انبیاء

انبیاء سے جس چیز کی نفی کی گئی ہے، اور جس سے معصوم رکھا گیا ہے، وہ معصیت ہے۔ یعنی اللہ کے کسی حکم یا قانون کی ادائی نافرمانی۔ یا وحی الٰہی میں کسی قسم کا تصرف۔ باقی جو امور طبعی لوازم بشریت ہیں، خواہ جسمانی ہوں یا دماغی و عقلی، اُن سے نفی کہیں بھی نہیں آئی ہے۔ بلکہ اگر ان سے پیمبروں کو یکسر محفوظ بنا کر بھیجا جاتا تو منکروں اور کافروں پر حجت کیونکر قائم ہوتی اور بشر متکلم کا تحقق کس طرح ہوتا۔

وقتی دماغی فروگزاشت یا سہو ونسیان ایک خاصۂ بنی آدم ہے؛ قرآن مجید نے اسے صاف کر دیا ہے، کہ یہ خاصہ تو انسان کے خود ابو الآباء حضرت آدمؑ میں پایا گیا ہے۔

(۱) ولقد عهدنا الی آدم من قبل فنسی ولم نجد لہ عزما (طٰہٰ۔ ع ۷)

اور اس سے قبل ہم نے آدم کو ایک حکم دیا تھا، سو وہ (اُسے) بھول گئے، اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی۔

یعنی ہمہ وقتی وہر جہتی استحضار آدمؑ سے نہ ہو سکا۔

حضرت موسیٰؑ جب حسب ہدایت الہیٰ ایک بندۂ عارف کی تلاش میں ایک رفیق کو ساتھ لے کر چلے ہیں، تو راستہ میں ایک مقام پر اپنے ساتھ کی مچھلی ان کے ذہن سے بالکل نکل گئی۔

(۲) فلما بلغا مجمع بینہما نسیا حوتہما (الکھف ع ۹)

جب وہ دونوں دو دریاوں کے سنگم پر پہنچے تو اپنے ساتھ کی مچھلی دونوں (بالکل) بھول گئے۔

نسیان یا بھول جانے کا انتساب قرآن مجید نے جس طرح ایک غیر نبی وغیر معصوم رفیق سفر پر کیا ہے، ٹھیک اسی طرح موسیٰؑ نبی معصوم کی طرف بھی کیا ہے۔

پھر حضرت موسیٰؑ جب اس بندۂ عارف سے ملتے ہیں، اور وہ آپ سے بعض باتوں پر مواخذہ کرتے ہیں، تو آپ عذر میں اپنی اسی بھول چوک کو پیش کرتے ہیں۔

(۳) قال لا تؤاخذنی بما نسیت ولا ترھقنی من امری عسرا (الکھف ع ۱۰)

موسیٰ نے کہا آپ میری بھول چوک پر گرفت نہ کیجئے اور میرے (اس) معاملہ میں مجھ پر تنگی نہ ڈالیئے۔

گویا حضرت موسیٰ اپنے نسیان کو نہ صرف بطور واقعہ پیش کرتے ہیں بلکہ محل معذرت پر اسے کافی بھی سمجھتے ہیں۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ خود حضور صلعم کو ہدایت ہوئی ہے کہ

(۴) واذکر ربک اذا نسیت   اپنے پروردگار کو یاد کر لیا کیجئے جب
(الکھف ع ۴)   بھول جایا کیجئے۔

تو معلوم ہوا کہ نسیان ایک لازمۂ بشریت ہے، اور ایسی چیز ہے جو مرتبہ افضل البشر اور سرور انبیاء کے منافی اور اس کی قادح نہیں

باب (۶)

موت اور انبیاء

بشریت، عبدیت، مخلوقیت کا سب سے بڑا مظہر موت ہے۔ باقی اور غیر فانی صرف وہ ہے، جو سب کا خالق و پروردگار ہے۔ باقی مخلوق میں جو افضل الخلائق اور خیر البریہ ہیں۔ انھیں بھی فنا اور موت سے چارہ نہیں — قرآن مجید نے یہ حقیقت، متعدد مقامات پر، اور مختلف طریقے اختیار کر کر کے، خوب وضاحت سے بیان کر دی ہے کہ حضرات انبیاء اپنی اس حیات ناسوتی میں، غیر فانی نہیں فانی ہی ہوتے ہیں۔ اور ان کی وفات طبعی طور پر بھی ہوتی رہتی ہے اور قتل و شہادت سے بھی۔

انبیاء بنی اسرائیل کے سلسلہ میں قوم اسرائیل کے خلاف بار بار یہ جرم عاید کیا ہے۔ کہ یہ اپنے پیغمبروں کو ناحق قتل یا شہید

کرتے آئے ہیں۔

(۱) ویقتلون النبیین بغیر الحق (البقرۃ ع ۷) — یہ (اپنے) پیمبروں کو بے قصور قتل کرتے رہتے ہیں۔

(۲) ویقتلون النبیین بغیر حق (آل عمران ع ۳) — یہ (اپنے) پیمبروں کو بے قصور قتل کرتے رہتے ہیں۔

اور ذرا سے تغیر الفاظ کے ساتھ اسرائیلیوں کے جرائم کے سیاق میں۔

(۳) وقتلھم الانبیاء بغیر حق (آل عمران ع ۱۹) — اور ان کا پیمبروں کو بے قصور قتل کر ڈالنے (کا جرم)

(۴) وقتلھم الانبیاء بغیر حق (النساء ع ۲۲) — (ایضاً)

یہی مضمون ذرا مختلف عبارت میں۔ اسرائیلیوں کو مخاطب کرکے

(۵) فریقاً تقتلون (البقرۃ ع ۱۱) — (کچھ پیمبروں کو تو تم نے جھٹلایا) اور کچھ کو تو قتل ہی کر ڈالا۔

اور ایک جگہ اور بجائے خطاب کے صیغۂ غائب میں

(۶) فریقاً کذبوا و فریقاً یقتلون (المائدۃ ع ۱۰) — کچھ (پیمبروں) کو تو انھوں نے جھٹلادیا اور کچھ کو تو قتل ہی کر ڈالا۔

بعض پیمبران جلیل کا نام لے کر اُن کی موت یا ہلاکت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ مثلاً

(۷) اذ حضر یعقوب الموت (البقرۃ ع ۱۶) — اور وہ وقت جب یعقوبؑ کو موت آ گئی۔

یا حضرت مسیحؑ کے سلسلے میں یہود کی زبان سے۔

(۸) انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم (النساء ع ۲۲) — ہم نے ہلاک کر دیا ہے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو۔

یا حضرت سلیمانؑ کے تذکرہ میں۔

(۹) فلما قضینا علیہ الموت ما دلھم علی موتہ الا دابۃ الارض۔ (سبا ع ۲) — جب ہم نے ان پر موت طاری کی، تو ان (جنات) کو کسی نے (سلیمان) کی موت پر خبر نہ دی بجز ایک زمینی کیڑے کے

یا اسی طرح حضرت یوسفؑ کے سلسلے میں، ایک مومن مصری مشرکوں سے کہتا ہے۔

(۱۰) ولقد جاء کم یوسف من قبل بالبینٰت فما زلتم فی شک مما جاء کم بہ حتی اذا ھلک (المومن ع ۴) — اور اس کے قبل تمہارے پاس یوسف دلائل لے کر آ چکے لیکن تم ان امور میں برابر شک ہی میں رہے۔ جو وہ تمہارے پاس لے کر آئے تھے، یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہو گئی۔ تو.......

خود حضور انورؐ سے متعلق واقعۂ وفات، صراحت کے ساتھ کئی کئی طریقوں سے بیان ہوا ہے۔ کہیں بہ طور فرض و احتمال مثلاً

(۱۱) فاما نذھبن بک (الزخرف ع ۴) — پھر خواہ ہم آپ کو اٹھا لیں

یا ایک دوسرے لفظ کے ساتھ

(۱۲) او نتوفّینّك (المومن ع ۸) | یا ہم آپ کو وفات دے دیں
(۱۳) او نتوفّینّك (الرعد ع ۶) | (ایضاً)

یا یہی مضمون خود آپ کی زبان سے کہلایا گیا ہے۔

(۱۴) قل ارءیتم ان اھلکنی اللّٰہ ومن معی۔ (الملک ع ۲)
آپ (ان لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے

یا کہیں تو اس ناگزیر واقعہ کو منکرین کے سامنے بطور حجت کے پیش کیا ہے۔ اور اسے ایک عالمگیر بشری قانون، بلکہ حیاتیاتی کلیہ بتایا ہے:

(۱۵) وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد افائن مت فھم الخلدون۔ کل نفس ذائقة الموت۔ (الانبیاء، ع ۳)
اور ہم نے آپ سے قبل کسی بشر کو بھی ہمیشہ رہنے والا نہیں بنایا تو کیا اگر آپ کی وفات ہو جائے، تو یہ لوگ ہمیشہ جیتے رہیں گے؟ موت کا مزا ہر جاندار کو چکھنا ہے۔

طبعی موت اور قتل دونوں صورتیں آپ کے لئے فرض کر کے نو مسلموں سے خطاب کیا ہے۔

(۱۶) وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علٰی اعقابکم۔ (آل عمران ع ۱۵)
اور محمدؐ کچھ اور نہیں بس رسول ہی ہیں۔ ان کے پیشتر بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ تو اگر یہ وفات پا گئے یا قتل ہو گئے تو کیا تم الٹے پیروں واپس ہو جاؤ گے؟

اس میں ضمناً پچھلے پیمبروں کی بھی وفات کا ذکر آگیا۔
ایک جگہ صاف حکم کی صورت میں آپؐ سے فرمایا ہے کہ جب تک وقت موعود نہ آجائے، عبادت میں لگے رہیئے۔

(۱۷) واعبد ربک حتی یاتیک الیقین (الحجر ع ۶) — اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہیئے یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔

اور ایک مقام پر تو صاف صاف آپؐ کو، اور سارے انسانوں کو موت کے نقطۂ نظر سے ایک صف میں لا کھڑا کیا ہے۔

(۱۸) انک میت وانھم میتون۔ (الزمر ع ۳) — آپ کو بھی موت آنے والی ہے، اور ان (سب) کو بھی موت آنے والی ہے۔

غرض یہ کہ موت، جو بشریت بلکہ مخلوقیت کا سب سے بڑا مظہر ہے اس کے لحاظ سے قرآن مجید نے سارے انبیاءؑ (بہ شمول سرور انبیاء) کو وضاحت کے ساتھ نوع انسانی کے ساتھ ایک ہی سطح پر رکھا ہے۔

قدرت کاملہ کی طرح علم کامل کی صفت بھی خاصۂ خداوندی ہے۔

دوسرے مذہبوں کا عقیدہ اوتاروں یا الوہیت کے مظہروں سے متعلق جو کچھ بھی ہو، اسلام میں پیغمبر کا بھی علم ہر دوسرے بشر کی طرح محدود ہی ہوتا ہے۔ گو اس کا دائرہ عام بشری علم سے کہیں زیادہ وسیع ہو یہ پیغمبری دائرہ علم وسیع جتنا بھی ہو، بہر حال محدود ہی ہو گا۔ اور ایک عالم غیب یا مغیبات کا اس کے لئے بھی ہو گا۔ اسلام اس عقیدہ کے شائبہ کا بھی روادار نہیں کہ رسول بھی کوئی حاضر و ناظر ہوتے ہیں یا کسی معنی میں بھی عالم کل ہستیاں ہیں۔

میدان حشر کے ایک منظر کے سلسلے میں ہے۔

(۱) یوم یجمع اللہ الرسل   وہ دن بھی یاد کرو جب اللہ (سارے) رسولوں

استضعفونی وکادوا یقتلوننی	مجھے بے حقیقت سمجھا، اور مجھے مار ڈالنے کو
فلا تشمت بی الاعداء ولا	تھے۔ تو تم مجھ پر دشمنوں کو تو نہ ہنسواؤ، اور
تجعلنی مع القوم الظالمین)	مجھے ظالم لوگوں میں تو نہ شمار کرو۔

(الاعراف ع ۱۸)

—— لاعلمی اور بےخبری کے باعث، حضرت موسیٰؑ بھی کس درجہ دھوکے میں پڑ گئے تھے!

حضرت عیسیٰؑ کے ذکر میں آتا ہے، کہ جب حشر میں آپ سے سوال ہوگا، کہ کیا تم اپنی امت کو مسیح پرستی اور مریم پرستی کی تعلیم دے آئے تھے، تو وہ جواب میں عرض کریں گے۔

(۱۴) سبحانک ما یکون لی ان	تیری ذات پاک ہے، میں کس طرح ایسی
اقول ما لیس لی بحق ان کنت	بات کہہ سکتا ہوں جو میرے لئے کسی طرح
قلتہ فقد علمتہ تعلم ما فی	درست نہ تھی۔ اگر میں نے کہا ہوتا، تو تجھے
نفسی ولا اعلم ما فی نفسک	ضرور ہی اس کا علم ہوتا، تو تو جانتا ہے جو کچھ
انک انت علام الغیوب۔	میرے دل میں ہے، البتہ میں نہیں جانتا جو کچھ تیرے
(المائدہ ع ۱۶)	علم میں ہے، غیبوں کا خوب جاننے والا تو
	بس تو ہی ہے۔

اس میں علم الٰہی کے کامل ہونے کے اثبات کے ساتھ اپنے علم کامل کی نفی بھی صاف ہے۔

حضرت نوحؑ بھی ایک پیغمبر جلیل القدر گزرے ہیں۔ آپ کے متعلق

ہے کہ جب آپؑ نے اپنے ڈوبتے ہوئے (لیکن مشرک) فرزند کے بچ جانے کی دعا کی ہے۔ تو ادھر سے جواب میں ارشاد ہوا۔

(۱۳) فلا تسئلن ما لیس لک به علم انی اعظك ان تكون الجاهلين۔ (ہود۔ ع ۴)

ایسی چیز کو مجھ سے نہ مانگو جو تمہارے دائرۂ علم سے باہر ہے میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم نادان نہ بن جاؤ۔

حضرت نوحؑ کو اس جلالت قدر کے باوجود اتنا بھی علم نہ تھا کہ خود اُن کے فرزند مسلک توحید پر نہیں، راہ شرک پر ہیں۔ اور یہی ان کو جتا دیا گیا۔

یہی حضرت نوحؑ جب اپنی قوم کو دعوت توحید دیتے ہیں، تو اپنے منصب پیمبری کی تشریح میں صفائی سے کہہ دیتے ہیں کہ میں غیب کا علم نہیں رکھتا۔

(۱۴) ولا اقول لکم عندی خزائن الله ولا اعلم الغیب (ہود ع ۳)

اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے (سارے) خزانے ہیں، اور نہ میں علم غیب ہی رکھتا ہوں۔

حضرت یعقوبؑ کی عظمت نبوت میں کس مسلمان کو شبہ ہو سکتا ہے جب آپؑ کے فرزندوں کی جماعت فلسطین سے مصر کے ذریعہ جانے لگی۔ تو آپؑ نے انھیں ایک ہدایت یہ بھی کی تھی کہ شہر میں سب ایک ہی جگہ کر کے رستے سے داخل نہ ہونا۔ لیکن یہ تدبیر بھی انھیں ذرہ سے ذرا نہ بچا سکی۔ وہاں ارشاد ہوتا ہے۔

(۷) الم اقل لك انك لن تستطيع معي صبرا (الکہف ع ۱۰) — کیا میں نے آپ سے کہہ نہیں دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر ضبط نہ کر سکیں گے۔

آپ نسیان کو عذر میں پیش کرتے ہیں، لیکن پھر ایک امر پہلے سے بھی بڑھ کر اور آپ کے اپنے دائرہ علم سے بہت باہر آپ کے مشاہدہ میں آتا ہے۔ اور آپ ٹوکنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اور وہ بزرگ پھر وہی ارشاد فرماتے ہیں۔

(۸) الم اقل لك انك لن تستطيع معي صبرا (ایضاً) — میں نے آپ سے کہہ دیا تھا نا، کہ آپ میرے ساتھ ضبط نہ کر سکیں گے۔

آپ عرض کرتے ہیں کہ اچھا بس ابکی اگر پھر بولا، تو آپ مجھے اپنے ساتھ سے الگ کر دیجئے گا۔ لیکن ابکی پھر جو مشاہدہ ہوتا ہے، وہ بھی آپ کی حد صبر سے باہر ہو جاتا ہے، اور آخرکار وہ بزرگ آپ کو اپنے سے جدا کر ہی کے رہتے ہیں، فرماتے ہیں۔

(۹) هذا فراق بيني وبينك سانبئك بتاويل ما لم تستطع عليه صبرا (الکہف ع ۱۰) — بس اب ہماری آپ کی جدائی ہے اب میں آپ کو ان چیزوں کی حقیقت بتائے دیتا ہوں، جن پر آپ سے ضبط نہ ہو سکا۔

اس سارے قصہ میں بیان خدائی علم اور بشری علم کے فرق کا نہیں بیان اس فرق عظیم کا ہے جو ایک پیمبر برحق کے علم، اور ایک دوسرے محترم بندہ کے علم کے درمیان تھا! ——— علم محیط و کامل یا علم الٰہی کا ذکر ہی کیا!

انھیں حضرت موسیٰؑ کے قصہ میں یہ بھی آتا ہے کہ جب آپؑ اپنے اہلِ خانہ سمیت مدین سے مصر کو چلے ہیں، تو رات کو راستہ میں ایک جگہ آپ کو روشنی نظر آئی، جسے آپ آگ سمجھے۔ اُس وقت آپ نے اپنے گھر والوں سے کہا،

(۱۰) امکثوا انی آنست نارا لعلی آتیکم منہا بخبر او جذوۃ من النار لعلکم تصطلون (القصص ع ۴) — تم (یہیں) ٹھہری رہو میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ شاید میں وہاں سے تمھارے لئے کچھ خبر لے آؤں یا کوئی انگارا ہی لے آؤں جس سے تم تاپ سکو

لیکن جب وہاں پہنچے، تو آپ کو اپنے اندازہ کی شدید غلطی کا علم ہوا جس چیز کو جزم کے ساتھ آگ سمجھ بیٹھے تھے۔ وہ نورِ الٰہی کی ایک تجلی تھی —— جو اس کے ذریعہ سے ظاہر ہو کر [illegible] سمجھے۔ پتھروں کو بھی ہوتا دیکھا۔

یہی حضرت موسیٰؑ جب ایک بار اپنی قوم کو اپنے بھائی حضرت ہارونؑ کے سپرد کر کے حسبِ طلب کوہِ طور پر تشریف لے گئے ہوئے تھے اور آپؑ کی غیر حاضری میں قوم نے گوسالہ پرستی شروع کر دی۔ تو واپسی پر یہ منظر دیکھ کر آپؑ کو شدید غصہ آیا۔ اور آپؑ نے وہ غصہ حضرت ہارونؑ پر اتارنا شروع کیا، کہ حضرت ہارونؑ اپنی صفائی یوں پیش کرتے ہیں۔

(۱۱) قال ابن ام ان القوم — بولے اے میرے ماں جائے، ان لوگوں نے

فیقول ماذا اجبتم قالوا لا علم لنا انک انت علام الغیوب
(المائدہ ع ۱۵)

کو اکٹھا کرے گا، اور ان سے سوال کرے گا کہ تمہیں کیا کیا جواب (اپنی امتوں کی طرف سے) ملا۔ وہ عرض کریں گے۔ ہمیں کوئی علم نہیں، چھپی ہوئی باتوں کا تو بس تو ہی خوب جاننے والا ہے

یہ گویا جمیع انبیاء و رسل کی زبان سے اقرار ہے کہ علم غیب ہمیں کہاں یہ تو بس آپ ہی کا خاصہ ہے —— اسی ایک حقیقت کو مختلف موقعوں پر اور مختلف پیرایوں میں ادا کیا گیا ہے۔ مثلاً کہیں یوں، کہ

(۲) ما علی الرسول الا البلاغ واللہ یعلم ما تبدون وما تکتمون
(المائدہ۔ ع ۱۳)

پیمبر کا کام تو صرف (پیام کا) پہنچا دینا ہے (باقی) تم جو ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔

اور کہیں ان الفاظ میں۔

(۳) فقل انما الغیب للہ فانتظروا انی معکم من المنتظرین
(یونس ع ۲)

آپ کہہ دیجئے کہ غیب کا علم تو بس اللہ ہی کو ہے۔ سو تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں،

اور کہیں اس عبارت کے ساتھ۔

(۴) للہ غیب السماوات والارض والیہ یرجع الامر کلہ فاعبدہ وتوکل علیہ
(ہود۔ ع ۱۰)

آسمانوں اور زمین کی جتنی بھی چھپی ہوئی چیزیں ہیں، وہ اللہ ہی کے علم میں ہیں۔ اور ہر شے اسی کی طرف رجوع ہونے والی ہے بس آپ اس کی عبادت کرتے رہئے اور اسی پر توکل کیجئے

ان بالواسطہ طریقوں کے علاوہ براہ راست اور فرداً فرداً بھی نفی مختلف انبیاء سے علم کامل اور علم غیب کی کی ہے۔ چنانچہ نبی اولوالعزم حضرت موسیٰؑ کے قصہ میں ہے کہ جب آپؑ کو ایک بندۂ مقرب کے پاس بھیجا گیا، جنھیں بعض علوم خصوصی سے نوازا جاچکا تھا، مگر جن کی پیمبری کے ذکر سے قرآن مجید خاموش ہے، تو آپ نے اُن سے عرض کیا،

(۵) ھل اتبعک علیٰ ان تعلمن مما علمت رشدا (الکھف ع ۹)	کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں اس شرط کے ساتھ کہ آپ مجھے بھی اس علم شریف میں سے کچھ سکھا دیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے،

یہاں اس کی صراحت ہے کہ ایک نبی اولوالعزم بعض علوم سے محروم ہے اور ان کے سیکھنے کی وہ درخواست ایک غیر نبی سے کر رہا ہے۔ اس پر وہ بزرگ جو جواب دیتے ہیں۔ اس میں ایک پیمبر کی بے خبری اور لاعلمی کو اور زیادہ کھول دیتے ہیں۔

(۶) قال انک لن تستطیع معی صبرا وکیف تصبر علیٰ مالم تحط بہ خبرا (ایضاً)	وہ بولے آپ میرے ساتھ ضبط نہ کر سکیں گے۔ اور آپ ان امور پر ضبط کر بھی کیسے کر سکتے ہیں جو آپ کے دائرۂ علم سے خارج ہیں

حضرت موسیٰؑ عہد کرتے ہیں کہ جو عجائب واقعات دیکھیں گے، ان پر کوئی سوال نہ کریں گے۔ لیکن اس کے باوجود بے اختیار ہو کر سوال کر ہی بیٹھتے ہیں۔ اس پر بزرگ ٹوکتے ہیں، اور عہد یاد دلاتے ہیں۔

(۱۵) ماکان یغنی عنھم من اللہ من شیءٍ الا حاجۃً فی نفس یعقوب قضٰھا (یوسف ع ۸) — اس سے ان (لڑکوں) پر سے خدا کا حکم تو کسی طرح بھی ٹل نہ سکا البتہ یعقوب کے دل میں ایک ارمان تھا، جسے انھوں نے پورا کرلیا

تدبیر کی یہ بے اثری ظاہر ہے کہ قدرت اور علم کی کمی ہی کا نتیجہ تھی

ایک نبی قدیم حضرت ہودؑ کے ذکر میں آتا ہے کہ جب آپ نے اپنی قوم کو عذاب آخرت سے ڈرایا تو وہ سرکش لوگ بولے، کہ دھمکی کیا دیتے ہو، وہ عذاب لے آؤ نہ۔ اس پر آپؑ نے فرمایا

(۱۶) انما العلم عند اللہ و ابلغکم ما ارسلت بہ و لکنی ارٰکم قومًا تجھلون۔ (الاحقاف ع ۳) — (پورا) علم تو بس اللہ ہی کو ہے۔ مجھکو تو جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے، بس وہی میں پہنچا دیتا ہوں۔ البتہ تمھیں کو دیکھتا ہوں کہ جہالت کی باتوں میں پڑے ہوئے ہو

حضرت موسیٰؑ سے جب فرعون نے امتحاناً سوال کیا ہے کہ اچھا جو امتیں پہلے گزر چکی ہیں، وہ کس حال میں ہیں۔ تو آپؑ نے جواب میں علم الٰہی کا حوالہ دے کر گویا اپنی لاعلمی ظاہر کردی۔

(۱۷) قال علمھا عند ربی فی کتاب (طٰہٰ ع ۲) — آپ نے کہا کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ایک دفتر میں ہے۔

ایک نبی حضرت زکریاؑ بھی ہوئے ہیں، جب آپؑ کو آپؑ ہی کی دعا پر، کبر سنی میں فرزند کی بشارت دی گئی ہے، تو آپؑ نے فرطِ حیرت سے سوال کردیا ہے۔

(۱۸) قال رب انی یکون لی غلم وکانت امراتی عاقرا وقد بلغت من الکبر عتیا (مریم ع ۱)

عرض کی کہ اے میرے پروردگار میرے اولاد کیونکر ہوگی جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں ضعیفی کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں۔

اس حیرت کی بنیاد کیا تھی؟ وہی اپنے علم کا محدود و ناقص ہونا۔
حضرت ابراہیم خلیل اللہ بہی ہی نہیں، ابو الانبیاء ہوئے ہیں۔
آپ نے اپنے مشرک والد کے حق میں دعائے مغفرت کر دی۔ اور اس کا آپ کو علم بھی نہ ہو پایا، کہ وہ تو موحد نہیں مشرک تھے۔ قرآن مجید نے اسے کھل کر بیان کر دیا ہے۔

(۱۹) وما کان استغفار ابراھیم لابیہ الا عن موعدۃ وعدھا ایاہ فلما تبین لہ انہ عدو للہ تبرا منہ (التوبۃ ع ۱۴)

اور ابراہیم کی دعائے مغفرت اپنے والد کے حق میں، تو وہ وعدہ کی بنا پر تھی جو وہ اس سے کر چکے تھے لیکن جب ان پر ظاہر ہوگیا کہ وہ تو اللہ کا دشمن ہے، تو وہ اس سے محض بے تعلق ہو گئے۔

علم کامل ہوتا تو اس کی نوبت ہی کیوں آتی۔
انھیں حضرت خلیل اللہ کے پاس جب فرشتے، انسانی شکل میں آئے ہیں۔ اور آپ کو پیرانہ سالی میں تولد فرزند کی بشارت دی ہے تو آپ چونک سے پڑے ہیں۔ یہ اظہار تعجب محض خلاف اسباب عادیہ ہونے کی بنا پر تھا۔ جو خود ایک کرشمہ علم کی کمی کا تھا۔

(۲۰) قال ابشرتمونی علی ان مسنی

بولے بشارت تم مجھے اس حال میں دے

اکبر فبم تبشرون. قالوا بشرنٰک بالحق فلا تکن من القانطین (الحجر ع ۴) — لیتے ہو، کہ جب میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ تو اب بشارت کاہے کی دے رہے ہو؟ وہ بولے کہ نہیں، ہم آپ کو امر واقعی کی بشارت دے رہے ہیں، سو آپ مایوس نہ ہوں۔

آپؑ نے انھیں پہچانا تک نہیں، کہ یہ فرشتے ہیں۔ اور اسی لئے ان اجنبی نو واردوں سے آپ کو خوف بھی معلوم ہوا تھا۔

(۲۱) قال انا منکم وجلون (ایضاً) — آپ بولے کہ ہم تو تم سے خائف ہیں

اسی حقیقت کا اعادہ ایک جگہ اور بھی ہے۔

(۲۲) اذ دخلوا علیہ فقالوا سلٰما قال سلٰم قوم منکرون (الذاریات ع ۲) — جب وہ ابراہیم کے پاس آئے تو انھیں سلام کیا، انھوں نے بھی (جواب میں) سلام کیا، یہ اجنبی لوگ ہیں۔

اور یہی فرشتے جب وہاں سے چل کر ایک دوسرے پیمبر حضرت لوطؑ کے ہاں آئے ہیں۔ تو آپ بھی نہ پہچان سکے، کہ یہ فرشتے ہیں اجنبی انسان ہی سمجھے۔

(۲۳) قال انکم قوم منکرون (الحجر ع ۵) — آپ نے (ان نو واردوں سے) کہا کہ تم تو اجنبی لوگ ہو۔

پیمبروں کا علم اگر کامل ہوتا تو فرشتوں کی شناخت میں انھیں دھوکا کیوں ہونے لگا تھا۔

ان سارے پیمبروں کے علاوہ، خود سید الانبیاءؐ کے علم کی محدودیت

کو قرآن مجید نے اور زیادہ کھول کر، اور زیادہ تکرار کے ساتھ بیان کیا ہے، مختلف زاویوں سے، اور زندگی کے متعدد شعبوں میں۔

حضرت مریمؑ کی پیدائش اور پرورش کے واقعات بیان کرکے رسول اللہ صلعم سے ارشاد ہوتا ہے۔

(۲۴) ذالک من انباء الغیب نوحیہ الیک (آل عمران۔ ع ۵) | یہ قصے غیب کی خبروں میں سے ہیں جن کی ہم آپ پر وحی کرتے ہیں۔

غیب علم کے مقابل کی چیز ہے۔ یعنی وہ چیزیں جو آپ کے دائرہ علم و خبر سے باہر ہیں ـــــ اور ایسے ہی الفاظ ایک جگہ اور آئے ہیں، جہاں لاعلمی میں آپؐ کو آپؐ کی قوم کے ساتھ ہی شریک شامل کیا ہے۔

(۲۵) تلک من انباء الغیب نوحیھا الیک ما کنت تعلمہا انت ولا قومک من قبل ھذا (ھود ع ۴) | یہ قصہ بھی غیب کی خبروں میں سے ہے جس کی ہم آپ کو وحی پہنچاتے ہیں۔ اس کو اس کے قبل نہ آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم

حضرت یوسفؑ کے قصہ کی تصریحات کے سلسلہ میں ہے کہ یہ تو اب آپ کو قرآن کے ذریعہ سے بتائے جارہے ہیں۔ ورنہ آپ اب تک ان سے بےخبر تھے۔

(۲۶) وان کنت من قبلہٖ من الغافلین۔ (یوسف، ع ۱) | اور گو آپ اس سے قبل اس سے (محض) بےخبر تھے۔

اسی قصہ کی تفصیلات سے متعلق ایک جگہ پھر اسی سورت میں

آپ سے علم کی نفی کی ہے۔

(۲۷) ذالک من انباء الغیب نوحیہ الیک (یوسف ع ۱۱) — یہ قصے بھی ان غیبی خبروں میں سے ہیں جن کی ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔

علم غیب کی نفی خود آپ کی زبان سے کرائی گئی ہے۔ اور آپ سے کہلایا گیا ہے۔

(۲۸) ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا نذیر و بشیر لقوم یؤمنون (الاعراف ع ۲۳) — اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو نفع خوب اکٹھے کر لیتا اور مضرت کوئی بھی مجھ پر واقع نہ ہوتی۔ میں تو بس ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہوں۔

اور یہ نفی اسی ایک جگہ نہیں دوسری جگہ بھی اسی تصریح و وضاحت کے ساتھ ہے۔

(۲۹) قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک ان اتبع الا ما یوحی الی۔ (الانعام ع ۵) — آپ کہہ دیجئے میں تم سے یہ تو نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے سارے خزانے ہیں اور نہ میں غیب ہی کا علم رکھتا ہوں۔ اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو بس اس وحی کی پیروی کرنے والا ہوں۔ جو میرے اوپر آتی ہے۔

پھر جس طرح عام بشری قانون ہے کہ بے علم انسان کو جو کچھ بھی علم

ملتا ہے، وہ اللہ ہی کی تعلیم سے ملتا ہے۔ وعلم الانسان ما لم یعلم۔ اسی طرح پیمبر کی بھی لاعلمی اور بے خبری کا علاج تعلیم الٰہی ہی سے ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلعم کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے۔

(۳۰) وعلمک ما لم تکن تعلم — اور اللہ ہی نے آپ کو وہ باتیں سکھائیں جو آپ کے علم میں نہ تھیں۔
(النساء ع ۱۷)

منافقین جو گرد و درگرد و مدینہ میں آباد تھے، اُن کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ

(۳۱) لا تعلمھم نحن نعلمھم — آپ ان سے واقف نہیں، اُن سے ہم واقف ہیں۔
(التوبہ ع ۱۳)

بار بار آپؐ سے سوالات آمد قیامت کے وقت سے متعلق کئے جاتے تھے۔ یعنی قیامت کب آئے گی۔ جواب میں ہمیشہ آپؐ سے براہ راست یا بالواسطہ یہی کہلایا گیا، کہ مجھے وقت کا کیا علم اس کا علم تو عالم الغیب ہی کو ہے۔

(۳۲) یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسٰھا قل انما علمھا عند ربی لا یجلیھا لوقتھا الا ھو — یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں، کہ کب واقع ہو گی۔ آپ کہہ دیجئے کہ اسکا علم تو میرے پروردگار ہی کے پاس ہے۔ اسکے وقت پر اسکو بجز اللہ کے کوئی ظاہر نہ کریگا
(الاعراف ع ۲۳)

اسی سلسلہ میں گویا اسی سے متصل یہ بھی ہے۔

(۳۳) یسئلونک کانک حفی عنھا — یہ آپ سے اس طرح سوال کرتے ہیں کہ

عنها قل انما علمها عند الله (ایضاً)
گویا آپ اس کی تحقیقات کر چکے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اسکا علم اللہ ہی کے پاس ہے

اور دوسری جگہ یوں ارشاد ہوا ہے۔

(۳۴) یسئلونک عن الساعة ایان مرسٰھا فی ما انت من ذکرٰھا الی ربک منتھٰھا انما انت منذر من یخشٰھا (والنازعات)
یہ لوگ آپ سے قیامت کے سوال کرتے ہیں کہ کب واقع ہو گی۔ اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق۔ یہ علم تو اللہ ہی پر منتہی ہوتا ہے اور آپ تو بس اُسے ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہو۔

آپؐ سے تو یہاں تک کہلا دیا گیا ہے کہ مجھے تو اس کا بھی علم نہیں، کہ تم سے جو کچھ وعدہ کیا جاتا ہے (عذاب کا قیامت کا)، تو آیا وہ قریب ہے یا دور ہے۔

(۳۵) وان ادری اقریب ام بعید ما توعدون ......
اور میں نہیں جانتا کہ جس کا تم سے وعدہ ہوا ہے وہ قریب ہے یا دور دراز ....

وان ادری لعلہ فتنة لکم ومتاع الی حین (الانبیاء ع ۷)
اور میں نہیں جانتا شاید وہ تمہارے لئے امتحان ہو اور ایک وقت تک نفع پہنچانا ہو

اور اسی سے ملتا ہوا مضمون ایک دوسری جگہ :۔

(۳۶) قل ان ادری اقریب ما توعدون ام یجعل لہ ربی امدا عٰلم الغیب فلا یظھر علٰی غیبہ
آپ کہہ دیجئے کہ مجھے علم نہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آیا وہ نزدیک ہے، یا میرے پروردگار نے اس کے لیے

احدا الا من ارتضیٰ من رسول — (الجن ع ۲) — کوئی مدت دراز مقرر کر رکھی ہے غیب کا جاننے والا بس وہی ہے) سو وہ اپنے غیب کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر ہاں اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو۔

اور ایک بار پھر اسی سوال وقت قیامت کے سلسلے میں۔

(۳۷) یسئلک الناس عن الساعۃ قل انما علمها عند اللہ وما یدریک لعل الساعۃ تکون قریبا (الاحزاب۔ ع ۸) — یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ اس کی خبر تو بس اللہ ہی کے پاس ہے اور آپ کو کیا معلوم عجب نہیں کہ قیامت قریب ہی واقع ہو جائے

آپ کو تعلیم اس دعا کی مل رہی ہے کہ اے میرے پروردگار، میرا علم بڑھا۔

(۳۸) وقل رب زدنی علما (طٰہٰ۔ ع ۶) — آپ کہئے کہ اے میرے پروردگار میرا علم بڑھا۔

ظاہر ہے کہ اگر آپ کا علم کامل و محیط ہوتا، تو علم میں اضافہ یا ازدیاد کے معنی ہی کیا رہ جاتے۔

آپ کو تو اس تک کا علم نہ تھا کہ آپ کو نبوت و کتاب ملنے والی ہے (کرنا ہوگی)

(۳۹) وما کنت ترجوا ان یلقیٰ الیک الکتاب الا رحمۃ من ربک۔ (القصص۔ ع ۹) — آپ کو تو یہ توقع نہ تھی کہ یہ کتاب آپ پر نازل ہوگی، مگر آپ کے پروردگار کی رحمت سے (اس کا نزول ہو گیا)

اور دوسری جگہ:۔

(۴۰) وما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان (الشوریٰ ع ۵) — آپ کو تو یہ بھی خبر نہ تھی کہ کتاب (الٰہی) کیا چیز ہے اور ایمان کیا۔

آپ تو لکھنا پڑھنا تک نہیں جانتے تھے۔

(۴۱) وما کنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک (العنکبوت ع ۵) — تو آپ اس (کتاب) سے قبل نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ اسے اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے۔

دوسرے تو دوسرے ہیں، خود آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ اس تک کا علم آپ کو نہیں دیا گیا ہے۔ اور اس کو آپ کی زبان سے کہلایا بھی گیا ہے۔

(۴۲) قل ما کنت بدعا من الرسل وما ادری ما یفعل بی ولا بکم (الاحقاف، ع ۱) — آپ کہہ دیجئے کہ میں کوئی انوکھا رسول تو ہوں نہیں، نہ مجھے اس کی خبر کہ میرے ساتھ یا تمھارے ساتھ کیا معاملہ پیش آئیگا

منافق اس طرف سے غافل اور بے فکر تھے کہ اللہ ان کو بے نقاب کرکے رہے گا، عالم الغیب کے بتا دینے سے تو رسول اللہ کو ان کی ایک ایک جزئی تفصیل معلوم ہو سکتی تھی۔

(۴۳) ام حسب الذین فی قلوبھم مرض ان لن یخرج اللہ اضغانھم ولو نشاء — جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے کیا یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ کبھی انکی دلی عداوتوں کو اسلام و رسول اسلام کے

لاَرَیۡنٰکَھُمۡ فَلَعَرَفۡتَھُمۡ بِسِیۡمٰھُمۡ وَ لَتَعۡرِفَنَّھُمۡ فِیۡ لَحۡنِ الۡقَوۡلِ (محمد ع ۴) — ساتھ) ظاہر نہ کرے گا؟ حالانکہ اگر ہم چاہتے تو ہم آپ کو ان کا پورا پتا بتا دیتے، تو آپ ان کو حلیئے سے پہچان لیتے۔ اور آپ انکو ان کے طرزِ کلام سے ضرور پہچان لیں گے۔

ان چیزوں سے آپ بھی ہر بشر کی طرح لاعلم ہی تھے۔ جب ہی تو وحیِ الٰہی کو افشائے راز کی دھمکی دینے کی ضرورت پڑی۔

آپؐ سے سب سے قریب رہنے والیاں، یعنی حضرت کی بیبیاں تک یہ بخوبی جانتی تھیں کہ آپ کا علم بس حدِ بشر ہی تک ہے۔ اور علمِ الٰہی کی طرح کامل و محیط نہیں۔ چنانچہ ایک بار آپؐ نے ایک بی بی صاحبہ پر اُن کے ایک راز کو ظاہر کر دیا تو انھوں نے حیرت سے دریافت کیا۔ کہ آپ کو اس کی خبر کیسے ہو گئی۔

(۴۴) فَلَمَّا نَبَّاَھَا بِہٖ قَالَتۡ مَنۡ اَنۡبَاَکَ ھٰذَا (التحریم ع ۱) — جب آپؐ نے انھیں (اس واقعہ) کی خبر دی، تو وہ بولیں کہ آپ کو کس نے یہ خبر دی؟

اور آپؐ نے جواب میں یہ ارشاد فرمایا، کہ خبر کون دیتا، مجھے خود ہی علم رہتا ہے۔ بلکہ یہ فرمایا کہ خدائے عالم الغیب نے مجھے خبر دے دی۔

(۴۵) قَالَ نَبَّاَنِیَ الۡعَلِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ (ایضاً) — آپؐ نے فرمایا کہ مجھے خبر دی خدائے علیم و خبیر نے۔

اسی طرح اور ایک اور سبق آموز جزئی واقعہ آپ کی حیاتِ مبارک کا

قرآن مجید میں درج ہے کہ آپ نے ایک نابینا صحابی کی طرف سے منہ پھیر لیا، جب وہ آپ سے ایک سوال کر رہے تھے۔ اور آپ اُس وقت قریش کے سرداروں کو تبلیغ دین میں مشغول تھے۔ اس پر خطاب الٰہی آپ سے یوں ہوا،

(۴۷۶) ... وما یدریک لعلّہٗ یزّکّٰی او یذّکّر فتنفعہ الذّکرٰی (عبس)	آپ کو کیا خبر، کہ وہ سنور ہی جاتے یا نصیحت قبول کرتے، تو وہ نصیحت کرنا انہیں نفع پہنچاتا۔

علم اگر آپ کا کامل و محیط ہوتا، تو اس طریق خطاب کی نوبت ہی کیوں آتی۔

باب (۹)

طبعی کیفیات و انفعالات

حضرات انبیاء اسلامی عقیدے میں صرف معصیت سے محفوظ ہوتے ہیں۔ بشری خصوصیات اور بشر کے جو طبعی کیفیات ہوتے ہیں ان سے وہ ماورا نہیں بلکہ ان میں وہ عام انسانوں کے شریک اور انہیں کے منفعل و متأثر ہوتے ہیں۔

منکروں اور مشرکوں کے قبول حق کی راہ میں سب سے بڑھ کر انبیاء کی یہی بشریت مانع رہی ہے۔ فرعونیوں نے طنز و تمسخر کے لہجے میں حضرت موسیٰؑ و حضرت ہارونؑ سے متعلق :-

(۱) فقالوا انؤمن لبشرین مثلنا وقومهما لنا عابدون (المؤمنون - ۳۴)

کہا کہ کیا ہم ایمان ان دونوں پر لے آئیں جو ہمارے ہی جیسے بشر ہیں اور ان کی قوم ہماری رعایا ہے۔

اور ہمارے رسولؐ کے خلاف بھی یہی اعتراض پیش ہوا۔

(۲) وقالوا مال ھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق لولا انزل الیہ ملک
(الفرقان۔ ع ۱)

(مشرکین نے کہا) یہ کیسے رسول ہیں جو کھانا بھی کھاتے ہیں، اور بازار میں چلتے پھرتے بھی ہیں۔ ان پر کوئی فرشتہ (مرئی صورت میں) کیوں نہ نازل ہوا۔

جواب میں ان چیزوں کو بہ طور حقائق تسلیم کیا گیا۔ اور ارشاد ہوا کہ ہاں، کھانے پینے کے اعتبار سے ان میں اور تم سب میں کوئی فرق ہی نہیں۔

(۳) ما ھذا الا بشر مثلکم یاکل مما تاکلون منہ ویشرب مما تشربون
(المومنون۔ ع ۳)

یہ رسول بس ایک بشر ہی تو ہیں تم جیسے جس (کھانے) سے تم کھاتے ہو یہ بھی کھاتے ہیں اور جس (پانی) سے تم پیتے ہو یہ بھی پیتے ہیں

عام قاعدہ ارشاد فرما دیا گیا کہ ان کے جسم ایسے بنائے ہی نہیں گئے کہ انہیں کھانے کی ضرورت نہ ہو، اور نہ یہ غیر فانی ہیں۔

(۴) وما جعلنٰھم جسدا لا یاکلون الطعام وما کانوا خالدین
(الانبیاء۔ ع ۱)

نہ ہم نے ان کے جسم ایسے بنائے کہ کھاتے (پیتے) نہ ہوں اور نہ یہ ہمیشہ زندہ رہنے والے ہیں۔

اور رسول اعظمؐ کی تشفی وتسکین کے لئے خصوصی طور پر ارشاد ہوا۔

(۵) وما ارسلنا قبلک من المرسلین الا انھم لیاکلون الطعام و

اور ہم نے آپ سے قبل کوئی ایسے پیمبر بھیجے ہی نہیں جو کھاتے (پیتے) نہ ہوں اور

یمشون فی الاسواق (الفرقان ع ۲) اور بازاروں میں چلتے پھرتے نہ ہوں،

پیمبر کھاتے پیتے رہتے ہی ہیں۔ البتہ اپنی اس کھلائی پلائی کو براہ راست وہ منسوب حق تعالیٰ ہی کی جانب کرتے رہتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کہتے ہیں۔

(۵) والذی ھو یطعمنی ویسقین (الشعراء ع ۵) وہ اللہ ہی تو ہے جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔

پیمبروں کو بھوک لگتی ہے اپنی اس حاجت مندی کا اظہار اپنے پروردگار سے کرتے ہیں۔ اور محنت کا کام کرکے سایہ میں جا بیٹھنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں — قرآن مجید کا کوئی ایک لفظ بھی حشو و بلا ضرورت نہیں کوئی خصوصیت بلا تعمیم کی وہ بلا غرض و مقصد نہیں لایا ہے۔ حضرت موسیٰ کے قصہ میں ارشاد ہوا ہے۔

(۶) فسقی لھما ثم تولی الی الظل فقال رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر (القصص ع ۳) آپ نے دونوں لڑکیوں کے لئے (جانوروں) کو پانی پلایا پھر سایہ کی جگہ جا بیٹھے پھر عرض کی کہ اے پروردگار جو نعمت بھی تو مجھے بھیجے میں اس کا حاجت مند ہوں

پیمبر دوسروں کی خدمت کے لئے اُن کے ہاں ملازمت بھی کرسکتے ہیں۔ اور ان سے اپنی خدمت کی اجرت یا تنخواہ طے کرسکتے ہیں۔ یہ سب تفصیل اسی قصہ موسیٰ کے سلسلے میں اسی مقام پر قرآن میں مذکور ہے۔ سورۃ القصص ع ۳

پیغمبر چلنے میں تھک بھی جاتے ہیں۔ جیسے ہر انسان لمبے سفر سے تھک جاتا ہے۔ عظمت پیغمبری اس سے مانع ہرگز نہیں — حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک لمبے سفر کے بعد اپنے خادم سے کہتے ہیں۔

(۸) آتنا غداءنا لقد لقینا — اب ہمارا ناشتہ لاؤ۔ ہم نے اس سفر من سفرنا ھذا نصبا (الکھف ع ۹) — میں تعب اٹھایا۔

نسیان کسی دنیوی معاملات میں پیغمبر کے لئے بالکل جائز ہے۔ اسی لمبے سفر میں مچھلی کو اپنے خادم کی طرح خود حضرت موسیٰ بھی فراموش کر گئے تھے۔

(۹) فلما بلغا مجمع بینھما — جب دریاؤں کے سنگم پر دونوں پہنچے نسیا حوتھما — تو دونوں یعنی موسیٰ اور ان کے خادم (ایضاً) — اپنی اس مچھلی کو بھول گئے۔

حضرت موسیٰ ہی کے قصے میں یہ بھی ہے کہ آپ اللہ کے ایک خاص بندے سے وعدہ کر چکے تھے کہ ان کے کسی عمل پر سوال نہ کریں گے۔ لیکن اس کے باوجود ان کے فعل منکر پر آپ سے نہ رہا گیا۔ اور آپ سوال کر ہی بیٹھے۔ اور اس وعدہ خلافی پر ان بزرگ نے جب ٹوکا ہے۔ تو آپ معذرت میں یہی کہہ گئے کہ بھول چوک کو معاف کیجئے۔

(۱۰) قال لا تؤاخذنی بما نسیت — بولے کہ میری بھول پر آپ میری گرفت (الکھف ع ۱۰) — نہ کیجئے۔

اور نسیان، محض دنیوی ہی نہیں، دینی معاملات تک میں پیمبر سے واقع ہو جانا ممکن ہے۔ یہ اور بات ہے کہ حق تعالیٰ اس کا تدارک بھی ہمیشہ بر وقت کر دیتے ہیں۔ آیات قرآنی کے سلسلے میں ارشاد ہوا ہے۔

(۱۱) ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا نات بخیر منھا (البقرۃ ع ۱۳) — ہم جس آیت (کے حکم) کو موقوف کر دیتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں (پیمبر کے ذہن سے) تو اس سے بہتر لے آتے ہیں۔

پیمبر بیماریوں سے محفوظ و مستثنیٰ نہیں ہوتے۔ بیمار بھی پڑ سکتے ہیں اور پڑتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کہتے ہیں۔

(۱۲) واذا مرضت فھو یشفین (الشعراء ع ۵) — اور جب میں بیمار پڑ جاتا ہوں، تو وہی (اللہ مجھکو) شفا دیتا ہے۔

حضرت ہی کی زبان سے ایک جگہ اور بھی بیماری کا مضمون ادا ہوا ہے۔

(۱۳) قال انی سقیم (الصفٰت ع ۴) — آپ بولے کہ میں بیمار ہوں۔

طبعی حالات میں دوسرے انسانوں کی طرح پیمبر بھی رنجور و مضمحل اپنے کو پاتے ہیں۔ حضرت یونسؑ کے حال میں آتا ہے۔

(۱۴) فنبذنٰہ بالعرآء وھو سقیم (الصفٰت ع ۵) — ہم نے انہیں ایک چٹیل میدان میں ڈال دیا، اس حال میں کہ وہ رنجور تھے

بیماری سے اذیت بھی پیمبر محسوس کرتے ہیں، اور اس تکلیف سے نجات کی دعا بھی کرتے ہیں۔ حضرت ایوبؑ کے حالات میں آتا ہے

(۱۵) وایوب اذ نادیٰ ربہٗ انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین | اور ایوب کا ذکر کیجئے، جب انھوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ لے پروردگار مجھکو دکھ پہنچ رہا ہے۔ اور تو تو سب

(الانبیاء۔ ع ۶) | مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

دعا قبول ہوئی اور ان کی تکلیف دور کردی گئی۔

(۱۶) فاستجبنا لہٗ فکشفنا ما بہٖ من ضر (ایضاً) | سو ہم نے ان کی دعا قبول کی، اور انھیں جو دکھ پہنچ رہا تھا، اس سے انھیں نجات دی۔

حضرت یونسؑ ایک سخت جسمانی اذیت میں مبتلا تھے، اس سے آپ نے نجات کی دعا الحاح وزاری سے کی، اور آپؑ کو نجات دی گئی۔

(۱۷) فنادیٰ فی الظلمات ان لا الٰہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظالمین ہ فاستجبنا لہٗ ونجینٰہ من الغم (ایضاً) | (یونس نے) ہم کو (مچھلی کے پیٹ کے) اندھیروں سے پکارا کہ تیرے سوا کوئی خدا نہیں، تو (ہر طرح) پاک ہے۔ بے شک میں ہی قصوروار ہوں، سو ہم نے انکی دعا قبول کرلی اور انھیں گھٹن سے نجات دی۔

پیمبر بڑی بڑی تکلیفوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ اور ہوتے رہتے ہیں۔ اور ان سے نجات پانے کی دعا بھی کرتے ہیں۔ اللہ ہی انھیں آخر ایسے غم وکرب سے نجات دلاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ وحضرت لوطؑ کے قصے کے آخر میں ہے۔

(۱۸) ونوحًا اذ نادیٰ من قبل فاستجبنا لہٗ فنجّینٰہ واھلہٗ من الکرب العظیم (الانبیاء ع ۶)

اور نوح کا ذکر کیجیے جبکہ اس کے قبل انھوں نے پکارا تھا، اور ہم نے ان کی دعا قبول کر لی تو ہم نے ان کو اور ان کے والوں کو بڑے بھاری کرب سے نجات دی۔

حضرت نوح ہی اور ان کے والوں کے لئے یہ لفظ کرب عظیم اور اس سے نجات پانے کا ذکر ایک جگہ اور بھی ہے۔ سورۂ والصّٰفّٰت۔ ع ۳۔

اور ٹھیک یہی الفاظ حضرت موسیٰؑ وہارونؑ کے سلسلے میں آئے ہیں کہ وہ بھی اذیت عظیم ہی میں مبتلا تھے۔

(۱۹) ونجینٰھما وقومھما من الکرب العظیم (الصّٰفّٰت ع ۴)

اور ہم نے ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑے بھاری کرب سے نجات دی۔

پیمبروں کی زندگی پھولوں کی سیج نہیں ہوتی۔ انھیں سخت آزمائشوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو ذبح فرزند کا حکم زندگی کا ... تھا اس پر ارشاد ہوا ہے۔

(۲۰) ان ھٰذا لھو البلٰؤ المبین (الصّٰفّٰت ع ۳)

بے شک یہ بڑا سخت امتحان تھا۔

حضرت موسیٰؑ کی زبان میں کوئی گرہ تھی جس سے آپ تقریر وضاحت اور روانی کے ساتھ نہیں کر سکتے تھے۔ آپ نے دعا اس نقص سے نجات پانے کی۔ اور فرائض رسالت میں آسانی پیدا ہونے کی کی ہے۔

(۲۱) قال رب اشرح لی صدری

عرض کی کہ اے میرے پروردگار مجھے شرح

ویسّر لی امری واحلل عقدۃً — صدر عطا کر اور میرا کام آسان کردے۔ اور
مّن لّسانی (طٰہٰ۔ ع ۲) — میری زبان کی گرہ کھول دے۔

اور آپؑ کا اپنی ان طبعی کوتاہیوں کو پیش کرنے کا ذکر دوسری جگہ بھی قرآن مجید میں ہے۔

(۴۲) ویضیق صدری ولا ینطلق — اور میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے اور میری
لسانی (الشعرآء۔ ع ۲) — زبان نہیں چل پاتی۔

ضمناً اس حقیقت پر بھی روشنی پڑ گئی کہ اس قسم کی طبعی کوتاہیاں یا مرضیانہ کیفیتیں کوئی بھی منصب رسالت میں حائل نہیں ہو سکتیں۔

دوسرے انسانوں کی طرح، پیمبروں پر بھی جانوروں تک کا قابو چل جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک پیمبر برحق حضرت یونسؑ کو ایک بہت بڑی مچھلی اپنے پیٹ میں نگل گئی۔

(۴۳) فالتقمہ الحوت وھو ملیم (الصّٰفّٰت ع ۵) — پھر ان کو مچھلی نے نگل لیا اور وہ اپنے کو ملامت کر رہے تھے۔

اور جب قابو جانوروں تک کا ان پر چل سکتا ہے تو دوسرے انسانوں کا تو ہر تصرف ظاہر ہے کہ ان پر بہ درجۂ اولیٰ چل ہی سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت یونسؑ کو بھی کشتی والوں نے مجرم قرار دے کر اور انہیں بے بس پاکر دریا میں پھینک دیا۔

(۴۴) وان یونس لمن المرسلین — یونسؑ بے شک پیمبروں میں سے تھے۔
اذ ابق الی الفلک المشحون فساھم — جبکہ وہ بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کے

کان من المد حضین   پاس پہنچے۔ پھر یہ تحریک قرعہ ہوئے اور
(ایضاً)   یہی ملزم ٹھہرے۔

پیمبروں کو سختیاں بڑی بڑی اٹھانا پڑتی ہیں۔ منکروں کی طرف سے اُن پر طرح طرح کی زیادتیاں روا رہتی ہیں۔ اور انہیں اپنے صبر و تحمل کا پورا امتحان دینا ہوتا ہے۔

انبیاء سابقین نے منکروں سے مخاطب ہو کر کہا ہے۔

(۲۵) ولنصبرنّ علیٰ ما اذیتموناﵧ   اور تم نے ہم کو جو اذیتیں پہنچائی ہیں، ان
(ابراہیم ع ۲)   پر ہم صبر ہی سے کام لیں گے۔

پچھلی لغزشیں اگر کچھ ہوں، تو منصب نبوت پر سرفرازی سے مانع اور اس میں حائل نہیں ہوتیں۔ حضرت موسیٰ کو آپ کی تبلیغ کے جواب میں جب فرعونیوں نے خون ناحق کر ڈالنے کا طعنہ دیا ہے۔ تو آپ نے جواب یہ فرمایا،

(۲۶) فعلتھا اذاً و انا من الضآلین ففررت منکم لما خفتکم فوھب لی ربی حکماً و جعلنی من المرسلین
(الشعراء ع ۲)

میں اس وقت یہ حرکت کر بیٹھا تھا جب میں غلطی کرنے والوں میں تھا۔ تو جب مجھے تم سے خوف آیا، تو میں تمہارے ہاں سے مفرور ہو گیا، پھر مجھ کو میرے پروردگار نے حکمت عطا فرمائی اور مجھے پیمبروں میں شامل کر دیا

پیمبروں کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ چپکے سے نکل جائیں اور دشمنوں کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔ دشمن ان کا پیچھا کرنے پر پوری طرح

نادر رہتے ہیں

(۲۷) واوحینا الیٰ موسیٰ ان اسر بعبادی انکم متبعون
(الشعرآء، ع ۴)

ہم نے موسیٰ پر وحی کی کہ میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ۔ بیشک تمہارا پیچھا بھی کیا جائے گا۔

پیمبروں پر، سوا کن، توہین انگیز الزام لگ سکتے ہیں، جن سے انہیں البتہ تکلیف ہوتی ہے۔ تفصیل میں گئے ہوئے بغیر، حضرت موسیٰ کے ذکر میں ہے:۔

(۲۸) لا تکونوا کالذین آذوا موسیٰ فبرّاہ اللہ مما قالوا
(الاحزاب، ع ۹)

ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو اذیت دی۔ پھر انہوں نے جو کچھ کہا اللہ نے اس سے موسیٰ کی صفائی پیش کر دی

پیمبروں کو بعض دفعہ مخالفین کے مقابلے میں اس درجہ عاجز و درماندہ ہو جانا پڑتا ہے کہ بالآخر اللہ تعالیٰ ہی سے فریاد اور طلب نصرت کرنا پڑتی ہے۔ حضرت نوحؑ نے آخر عاجز آ کر دعا کی۔

(۲۹) انّی مغلوبٌ فانتصر
(القمر، ع ۱)

میں درماندہ ہوں، سو تو ہی انتقام لے

پیمبر کے لئے علمی استعداد اور علوم و فنون میں قابلیت بالکل ہی ضروری نہیں، ہمارے رسول مقبولؐ کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے

(۳۰) ما کنت تتلوا من قبلہ من کتابٍ ولا تخطہٗ بیمینک۔

آپ اس (کتاب) سے پہلے نہ تو کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے، اور نہ کوئی کتاب

(العنکبوت ع ۵)   ہاتھ سے کر سکتے تھے۔

پیمبر حسن نسوانی سے متاثر ہو سکتے ہیں۔ کہ یہ بھی ایک بشری تاثر ہے اور یہ طبعی تاثر ذرا بھی قادح مرتبہ نبوت نہیں۔ رسول اعظم کو مخاطب کر کے ارشاد ہوتا ہے،

(۳۱) لا یحل لک النساء من بعد   ان کے علاوہ اور عورتیں آپ کے لئے
ولا ان تبدل بهن من ازواج   جائز نہیں، اور نہ یہ جائز ہے کہ آپ ان
ولو اعجبک حسنهن   بیبیوں کی جگہ دوسری بیبیاں کریں،
(الاحزاب ع ۷)   اگرچہ آپ کو ان کا حسن بھلا معلوم ہو۔

منکروں کی ضد اور ہٹ دھرمی دیکھ کر رسول کا قلب شدید اذیت قبول کرتا ہے۔ آپ کو ایسے موقع پر صبر و سکون کی تلقین ہوئی۔ اور بار بار ہوئی۔ کہیں یوں ارشاد ہوا،

(۳۲) فلعلک باخع نفسک علی   تو شاید آپ ان کے پیچھے۔ اگر یہ لوگ اس
آثارهم ان لم یؤمنوا بهذا الحدیث   مضمون پر ایمان نہ لائے۔ غم سے اپنی جان
اسفا (الکہف ع ۱)   ہی ہلاک کر دیں گے۔

اور کہیں اس سے ملتا ہوا یوں کہ

(۳۳) فلعلک باخع نفسک الا یکونوا   تو آپ شاید اس پر، کہ یہ لوگ ایمان نہیں
مومنین (الشعراء ع ۱)   لاتے اپنی جان ہی ہلاک کر دیں گے۔

اور کہیں تبدیلی عبارت کے ساتھ یوں کہ

(۳۴) فلا تذهب نفسک علیهم   تو ان پر تاسف کر کر کے کہیں آپ کی جان

حسرات (الفاطر ع ۲) ہی نہ جاتی رہے۔

حُزن کی ممانعت کہیں صاف صاف بھی ہوئی ہے۔

(۳۵) ولا تحزن علیھم ولا تکن فی ضیق مما یمکرون (النحل ع ۶) — آپ ان پر غم نہ کیجئے۔ اور جو کچھ شرارتیں کر رہے ہیں۔ اس سے تنگ نہ ہوجئے

صبر کی تاکید اس سلسلے میں بار بار آپ کو ہوئی ہے۔ کہیں صرف یہ

(۳۶) فاصبر علیٰ ما یقولون (طٰہٰ، ع ۶) — جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں، اس پر صبر سے کام لیجئے۔

اور کہیں ان الفاظ میں

(۳۷) واصبر علیٰ ما یقولون واھجرھم ھجرا جمیلا (المزمل، ع ۱) — جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں اس پر صبر کیجئے خوبصورتی سے ان سے الگ ہو جائیے

اور کہیں انداز بیان یہ ہے کہ اللہ کے وعدے بہرحال پورے ہو کر رہیں گے، آپ صبر سے کام لیتے رہئے۔

(۳۸) فاصبر ان وعد اللہ حق (المومن، ع ۵) — آپ صبر سے کام لیتے رہئے بیشک اللہ کا وعدہ برحق ہے۔

(۳۹) فاصبر ان وعد اللہ حق ولا یستخفنک الذین لا یوقنون (الروم، ع ۶) — آپ صبر سے کام لیتے رہئے، بیشک اللہ کا وعدہ برحق ہے اور یہ بے یقین لوگ آپ کو بے برداشت نہ کرنے پائیں۔

معاندین منکرین کے دلآزار رویہ سے آپ کے قلب کو اذیت پہنچنا امر طبعی تھا، صبر کی فہمائش آپ کو اس موقع پر بھی ہوئی ہے۔

(۴۰) فاصبر علی ما یقولون (ق ع ۳)
یہ لوگ جو کچھ کہتے رہتے ہیں، آپ اس پر صبر کرتے رہیئے۔

مخالفین و معاندین ہی نہیں، مطیعوں، رفیقوں کی بھی بے تمیزیوں سے اذیت محسوس ہونا، ہر بشر کی طرح، آپ کے لئے بھی امر طبعی تھا۔ قرآن مجید میں اس کی شہادتیں موجود ہیں۔ مثلاً

(۴۱) وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ۔ (الاحزاب، ع ۷)
تمہارے لئے (یہ کسی طرح) درست نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو دکھ پہنچاؤ۔

حجاب و لحاظ یا مروت، ہر شریف ہستی میں ایک امر طبعی ہے، اور آپ بھی اس کے حصہ دار تھے۔ بعض مجلسی بد لحاظیاں طبع مبارک پر گراں گزرتی تھیں، لیکن مروت سے آپ زبان پر نہیں لاتے تھے۔

(۴۲) ان ذالکم کان یوذی النبی فیستحی منکم۔ (ایضاً)
اس بات سے کہ تم نبی کے ہاں کھانے کے بعد بھی برابر بیٹھے رہتے ہو، نبی کو ناگواری ہوتی ہے۔ لیکن وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں۔

منکروں کی فلاح و بہبودی کو دیکھ کر مومنین صادقین کا حیرت میں پڑ جانا قدرتی تھا۔ رسول کا قلب بھی بہرحال بشری قلب ہوتا ہے۔ فہمائش و ہدایت کی ضرورت اس باب میں رسول کرامؐ کے لئے ہوئی۔

(۴۳) ولا تمدن عینیک الی ما متعنا بہ ازواجا منھم زھرۃ الحیوۃ الدنیا لنفتنھم فیہ ورزق
اور آپ ہرگز آنکھ اٹھا کر بھی وہ ساز و سامان نہ دیکھیے جس سے ہم نے منکروں کے مختلف گروہوں کو بہرہ ور کر رکھا ہے اُن کی

ورزق ربك خير وابقیٰ
(طٰہٰ، ع ۸)

آزمائش کے لئے وہ دنیوی زندگی کی رونق ہے
اور آپ کے پروردگار کا عطیہ بدرجہا بہتر ہے اور پائدار

پاس قرابت و عزیزداری کے تعلقات کے لحاظ رکھنے کی توقع فطرت بشری میں داخل ہے اور پیمبر کی فطرت اس سے مستثنیٰ نہیں ہوتی۔ آپ کو حکم ملتا ہے کہ

(۴۴) قل لا اسئلکم علیه اجرًا الا المودة فی القربیٰ
(الشوریٰ، ع ۳)

آپؐ (ان منکروں سے) کہہ دیجئے کہ اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کچھ بھی معاوضہ نہیں چاہتا، ہاں رشتہ داری کی محبت رکی توقع رکھتا ہوں)

پیمبروں کی خانگی، ازدواجی زندگی ایسی ہی ہوتی ہے جیسی دوسرے انسان کی ہوتی ہے۔ ہمارے حضورؐ نے اپنی ایک بی بی صاحبہ سے کوئی بات بہ طور راز کے فرمائی۔ انھوں نے کسی دوسری پر ظاہر کردی۔ آپؐ کو وحی الٰہی سے اس کا علم ہوگیا۔ آپؐ نے اس کے ایک ٹکڑے کا ان بی بی صاحبہ سے ذکر فرمایا۔ اس پر انھیں حیرت ہوئی، کہ آپؐ غیب داں تو ہیں نہیں، پھر یہ خبر آپؐ کو ہوئی تو کیسے۔ آپ نے جواب میں یہ کہہ کر انکی تسکین کردی، کہ مجھے اس سے مطلع اللہ تعالیٰ نے کیا۔

(۴۵) واذ اسر النبی الیٰ بعض ازواجه حدیثا فلما نبات به واظهره الله علیه عرف بعضه

اور جب پیمبر نے اپنی کسی بی بی سے ایک بات بہ طور سرگوشی فرمائی۔ پھر جب ان بی بی نے وہ بات (کسی اور کو) بتلادی۔ اور پیمبر کو اللہ نے

واعرض عن بعض فلما نبأها به قالت من انبأك هذا قال نبّأني العليم الخبير (التحریم ع ۱)	اس کی خبر کردی ۔ تو پیمبر نے کچھ بات تو جتلا دی اور کچھ ٹال دی ۔ سو جب پیمبر نے اس بی بی کو وہ بات جتلائی تو وہ بولیں کہ آپ کو اس کی خبر کس نے کی ؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے خبر دی (خدائے) علیم و خبیر نے ۔

اور جب یہ صورت سید المرسلین و سرور انبیاء کے ساتھ پیش آگئی ، تو دوسرے پیمبروں کی خانگی و ازدواجی زندگیوں میں تو اس کے امکانات کہیں زائد ہی رہے ہیں ۔

ہنسی جس طرح ہر بشر کو آتی ہے ، پیمبر کو آسکتی اور آتی ہے ۔ ہنسی وقار نبوت کے منافی نہیں ۔ حضرت سلیمانؑ کے ذکر میں آتا ہے

(۴۶) فتبسم ضاحکًا من قولها (النمل ع ۲)	آپ اس کی اس بات پر مسکراتے ہوئے ہنس پڑے ۔

ذکر محض تبسم کا نہیں ، صراحت "ضحک" کی بھی ۔

پیمبر کی زندگی ، یہ نہیں ہوتا کہ شروع سے آخر تک پھولوں کی سیج پر بسر ہوتی ہو ۔ قبل نبوت بھی طرح طرح کی شدید منزلوں سے گزرنا ہوتا ہے ۔ سرور انبیاءؐ کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے :-

(۴۷) الم یجدك یتیمًا فاٰوٰی ووجدك ضآلًا فهدٰی ووجدك عآئلًا فاغنٰی	کیا اللہ نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر آپ کو ٹھکانا دیا ۔ اور اللہ نے آپ کو بے خبر پایا ، پھر راستہ بتایا ۔ اور اللہ نے آپ کو نادار پایا

(الضحیٰ) پھر (آپ کو) مالدار کیا۔

سرورِ انبیاءؐ ہی کو مخاطب کر کے یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ کیسے شدید و ثقیل بار سے آپؐ گرانبار ہو رہے تھے، کہ افضالِ الٰہی نے اس سے بھی آپؐ کو سبکدوش کیا۔

(۴۸) ووضعنا عنك وزرك الذی انقض ظهرك (الانشراح) — اور ہم نے آپؐ سے آپؐ کا وہ بوجھ اُتار دیا، جس نے آپؐ کی کمر توڑ رکھی تھی۔
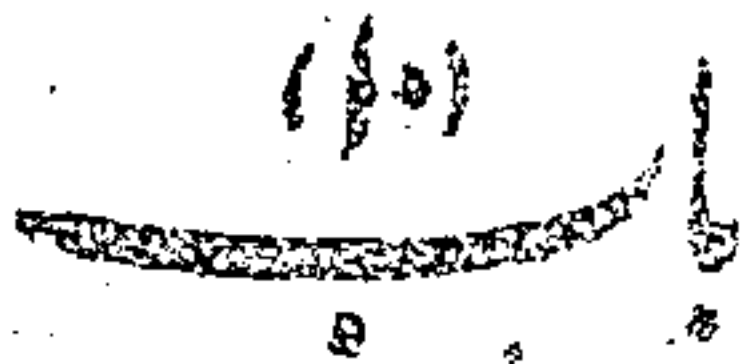
ازواج، اولاد و طلبِ اولاد

انبیاء علیہم السلام عموماً صاحبِ ازواج و اولاد ہوتے رہے ہیں۔ یہ نہیں ہوا ہے کہ اہل و عیال و خانہ داری کے جنجال سے اکثر یا عموماً آزاد رہے ہوں۔ عام قاعدہ رسول اللہ صلعم کو مخاطب کرکے یہ بیان ہوا ہے کہ :—

(۱) ولقد ارسلنا رسلاً من قبلک وجعلنا لہم ازواجاً وذریۃ — اور بالیقین ہم نے آپ سے قبل رسول بھیجے ہیں اور ان کے لئے بیبیاں بھی رکھیں اور اولاد بھی۔ (الرعد۔ ع ۶)

اور یہاں سے حضور کی تو ایک نہیں، متعدد ازواج مبارک تھیں، اور ان کا ذکر صیغۂ جمع میں بار بار آیا ہے۔ کہیں لفظ ازواج سے کہیں لفظ نساء سے۔

(۲) یا ایہا النبی قل لازواجک — اے پیغمبر اپنی بیبیوں سے کہہ دیجئے

(الاحزاب ع ۴)

(۳) یاایها النبی انا احللنا لک ازواجک (الاحزاب ع ۶) — اے پیغمبر ہم نے آپ پر حلال کر دی ہیں آپ کی بیبیاں۔

(۴) یانساء النبی لستن کاحد من النساء (الاحزاب ع ۴) — اے پیغمبر کی بیبیو، تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

(۵) یانساء النبی من یات منکن بفاحشة مبینة (الاحزاب ع ۴) — اے پیغمبر کی بیبیو، تم میں سے جو کوئی کھلی ہوئی بے حیائی کا مرتکب ہوگا۔ الخ

ان سب آیتوں سے رسول اللہؐ کی بیبیوں کا تعدد یا کئی کئی ہونا تو بہر حال ثابت ہو گیا۔ اور حضورؐ کا صاحب اولاد ہونا بھی قرآن مجید سے ثابت ہے۔ پہلے تو بالواسطہ اور ایک سلبی طریقہ پر، وہ یوں کہ جب عرب جاہلی نے اپنے مذاق کے مطابق آپؐ کو طعنہ لاولدی کا دیا، تو جواب میں الٹا انہیں طعنہ زنوں کے حق میں، حضورؐ کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا کہ (آپؐ تو نہیں، ہاں)

(۶) ان شانئک هو الابتر (الکوثر) — آپ کا دشمن ہی بے نشان رہ جانے والا ہے۔

اور ایک دوسری آیت روشنی اس پر ڈالتی ہے کہ زندہ رہنے والی آپؐ کی اولاد ذکور نہیں بلکہ اناث ہوں گی، صاحبزادے نہیں، صاحبزادیاں ہوں گی۔ ارشاد ہوا ہے کہ

(۷) ما کان محمد ابا احد من رجالکم (الاحزاب ع ۵) — محمدؐ تم میں سے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔

یعنی آپؐ والد ماجد عورتوں یا صاحبزادیوں کے ہیں۔ پھر ایک آیت میں ذکر صاحبزادیوں کا بہ صیغۂ جمع آیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ صاحبزادیاں ایک نہیں، کم سے کم تین تھیں۔ (کہ عربی میں صیغۂ جمع کا اطلاق کم سے کم تین کے عدد پر ہوتا ہے)

(۴) یٰاَیُّہَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ (الاحزاب ع ۸)

اے پیغمبر آپ اپنی بیبیوں اور اپنی بیٹیوں سے کہہ دیجیے:

ایک اور آیت سے یہ حقیقت بھی سامنے آجاتی ہے کہ حضورؐ کے اہل و عیال کا ایک مستقل خاندان تھا، جس میں عورتیں اور لڑکے دونوں شامل تھے۔

(۵) قُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَکُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمْ (آل عمران ع ۶)

آپ (ان) لوگوں سے کہہ دیجیے کہ آؤ ہم (اور تم) اپنے لڑکوں کو اور تمہارے لڑکوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو بلائیں

لفظ ابناء یہاں جس سیاق میں آیا ہے، اس سے مراد صلبی بیٹے نہیں بلکہ نسبتاً بیٹے کے درجے کے (نواسے وغیرہ) ہیں، جن پر مجازاً بیٹوں کی اولاد کا اطلاق ہوتا ہے ۔۔۔ غرض ایک مستقل خاندان تھا جس پر اطلاق اہل البیت کا ہوتا ہے۔ گو اصلاً اس سے مراد ازواج مبارک ہی ہیں

(۶) اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ (الاحزاب ع ۴)

اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ اے گھر والو تم سے آلودگی کو بالکل دور رکھے۔

یہ نیک اور پاک بیبیاں اگرچہ بشریت کے تقاضوں سے بری اور مستثنا نہ تھیں۔ اور احتمالات و امکانات جو سب کے لئے ہوتے ہیں ان کے لئے بھی تھے۔ چنانچہ ان کو مخاطب کر کے وعید سنا دی گئی تھی۔

(۱۱) من یات منکن بفاحشۃ مبینۃ یضعف لہا العذاب ضعفین وکان ذالک علی اللہ یسیرا۔ (الاحزاب ع ۴)

تم میں سے جو کوئی کھلی ہوئی بیہودگی کرے گی، اس کو سزا بھی دوگنی دی جائے گی۔ اور یہ اللہ کے لئے (بالکل) آسان ہے۔

لیکن ان کا مرتبہ بشرط تقویٰ کے ساتھ دنیا جہان کی عورتوں سے بالاتر تھا۔

(۱۲) لستن کاحد من النساء ان اتقیتن (ایضاً)

تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم تقویٰ پر قائم رہو۔

اور ان کو ہدایتیں ایسی ملیں جو ان کی سطح اخلاق کو بلند کرنے والی ایک پیمبر کے گھرانے کی شایان شان تھیں۔ اور ان کے لئے زندگی کا جو نقشہ تھا، وہ تمام طہارت و پاکیزگی کا تھا۔

(۱۳) فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولا معروفا۔ وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ واقمن الصلوٰۃ واٰتین الزکوٰۃ و

تو تم بولنے میں نزاکت مت کرو، جس سے ایسے شخص کو (برا) خیال ہونے لگتا ہے جس کے قلب میں خرابی ہے۔ اور بات قاعدہ کے موافق کہو۔ اور اپنے گھروں کے اندر قرار سے رہو۔ اور زمانہ جاہلیت قدیم کے مطابق

اطعن اللہ ورسولہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا (ایضاً)

اپنے کو دکھاتی نہ پھرو۔ اور نماز کی پابندی رکھو اور زکات دیتا رہو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ اے پیغمبر کے گھروالو تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو خوب ہی پاک صاف کردے

ان بیوی صاحبان کا امتحان بھی ان کے مرتبہ کے لائق اور دنیا کے عام معیار سے سخت لیا گیا۔ اور انہیں اختیار دیا گیا۔ کہ یا تو دنیوی خوشی کی زندگی کا انتخاب کریں، اور یا رسول کی صحبت وزوجیت کو۔

(۱۴) ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا (ایضاً)

اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا دوں اور خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کردوں

اور چونکہ ان میں سے کسی نے بھی پہلی شق کو اختیار کرکے رسولؐ کی زوجیت کو نہ چھوڑا، نتیجہ خود بخود یہ نکل آیا کہ وہ تقوی اور دنیا سے بے رغبتی کے اعلا معیار پر قائم رہیں۔

ان سب آیتوں سے ثبوت حضورؐ کی متعدد ازواج اور خاندان کے وجود کا ملا۔ اور ایسا ہی ثبوت ابوالانبیا حضرت ابراہیم خلیلؑ کی ازدواجی زندگی کا ملتا ہے۔ آپ کی ایک بیوی صاحبہ تو بہرحال تھیں جو پیرانہ سالی کی حد تک پہنچ چکی تھیں، اور اب تک اولاد کی نعمت سے محروم تھیں۔ چنانچہ جب فرشتوں نے آکر اس کی خوشخبری سنائی ہے۔ تو انھوں

نے اس کو کمال حیرت سے سُنا۔

(۱۵) فاقبلت امراتہٗ فی صرۃ فصکت وجہھا وقالت عجوزٌ عقیم (الذاریات ع ۲)

اتنے میں آپ کی بیوی بولتی پکارتی ہوئی آگئیں، اور اپنے ماتھے پر (انھوں نے) ہاتھ مارا، اور بولیں (میں) بوڑھی بانجھ!

اور ایک دوسری جگہ یہ مضمون اور تفصیل و تصریح کے ساتھ آیا ہے

(۱۶) وامراتہٗ قآئمۃ فضحکت فبشرنھا باسحٰق ومن ورآء اسحٰق یعقوب۔ قالت یٰویلتیٓ ءالدُ وانا عجوز وّھذا بعلی شیخا ان ھٰذا لشئٌ عجیب قالوٓا اتعجبین من امر اللہ۔ (ہود۔ ع ۷)

(اور وہیں) ابراہیم کی بی بی کھڑی ہوئی تھیں تو وہ ہنس دیں پھر ہم نے ان کو بشارت دی اسحٰق کی، اور اسحٰق سے پیچھے یعقوب کی۔ وہ بولیں کہ ہائے، خاک پڑے کیا میں اب بچہ جنوں گی بوڑھی ہو کر اور یہ میرے میاں ہیں بالکل بوڑھے۔ یہ تو بڑے ہی اچنبھے کی بات ہے! (فرشتے) بولے کیا تم کو اچنبھا اللہ کے کام پر ہوتا ہے؟

اس کے بعد جب فرشتوں نے ان سے پھر خطاب کیا ہے۔ تو وہی لفظ اہل بیت، استعمال کیا ہے جو حضورؐ کے خاندان کے سلسلے میں ابھی اوپر گزر چکا ہے۔

(۱۷) رحمت اللہ وبرکاتہٗ علیکم اھل البیت (ایضاً)

اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں اے (ابراہیم کے) گھر والو، تمھارے اوپر۔

گویا آپ کا بھی مستقل خاندان موجود تھا۔ اور آپ کے دو صاحبزادوں

اسمٰعیل و اسحٰق کا ذکر تو قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ بار بار آیا ہے خود حضرت ابراہیم کی زبان سے ہے۔

(۱۸) الحمد لله الذی وھب لی علی الکبر اسمٰعیل و اسحٰق (ابراہیم ع ۶)	ساری حمد اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے (اس) کبر سنی میں (دو فرزند) اسمٰعیل و اسحٰق عطا کیے۔

اور یہی ذکر ایک دوسری آیت میں۔

(۱۹) وھبنا لہٗ اسحٰق و یعقوب (مریم ع ۳)	اور ہم نے انھیں اسحٰق اور یعقوب عطا کئے۔

اور پھر تیسری اور چوتھی جگہ۔

(۲۰) ووھبنا لہٗ اسحٰق و یعقوب نافلۃ (انبیاء ع ۵)	اور ہم نے ان کو اسحٰق اور یعقوب پوتا عطا کیا۔
(۲۱) ووھبنا لہٗ اسحٰق و یعقوب (العنکبوت ع ۳)	اور ہم نے انھیں اسحٰق اور یعقوب عطا کئے۔

اور پانچویں جگہ اسی مضمون کا مختصر اعادہ،

(۲۲) و بشّرنٰہ باسحٰق نبیّا من الصّالحین (الصافات ع ۳)	اور ہم نے ابراہیم کو بشارت دی اسحٰق کی کہ وہ نبی اور نیک بندوں میں ہوں گے

اور اسی طرح اسمٰعیل کا آپ ہی کی اولاد میں ہونا بھی بیان ہوا ہے۔

(۲۳) فبشرنٰہ بغلٰمٍ حلیمٍ فلمّا بلغ معہ السعی قال یا بُنیّ انّی	سو ہم نے ابراہیم کو بشارت دی ایک فرزند حلیم المزاج کی۔ تو جب وہ لڑکا اس

اری فی المنام انی اذبحك۔ (ایضاً)

عمر کو پہنچا کہ ابراہیم کے ساتھ دوڑنے پھرنے لگے۔ تو وہ بولے کہ لے بیٹا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔

اور پھر ایک جگہ فرزندان یعقوب اپنے والد ماجد کو اُن کے بستر مرگ پر مخاطب کرکے کہتے ہیں۔

(۲۴) نعبد الٰهك واله آبآءك ابراهيم واسمٰعيل واسحٰق۔ (البقرۃ ع ۱۶)

ہم اسی خدا کی پرستش کریں گے جو آپ کا خدا تھا اور آپ کے باپ دادا، ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق کا ہے، خدائے واحد

حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحٰقؑ ان دو ناموں کی تو صراحت قرآن مجید میں مل گئی۔ باقی ان کے علاوہ بھی حضرت ابراہیمؑ کی کچھ اور اولاد ضرور ہوگی۔ اس لئے کہ قرآن نے صیغۂ جمع استعمال کیا ہے۔ جس کے لئے تین کا عدد کم سے کم ہونا ضروری ہے۔

(۲۵) ووصّٰی بها ابراهيم بنيه ويعقوب۔ (البقرۃ ع ۱۶)

اور اسی کا حکم دے گئے اپنے لڑکوں کو ابراہیم اور یعقوب بھی۔

اور پھر دوسری جگہ آپ نے دعا کی ہے

(۲۶) واجنبنی وبنیّ ان نعبد الاصنام (ابراہیم ع ۶)

مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچائے رکھیو۔

(بنی، اصل میں بنین تھا، اور وہ جمع ہے۔ ’بن‘ کی، حالت اضافت میں ’ن‘ گر گیا)

گویا قرآن مجید ہی سے یہ بھی واضح ہو گیا، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولادیں متعدد تھیں۔ حضرت اسمٰعیلؑ ہی کے ذکر میں آتا ہے۔

(۲۷) وکان یامر اھلہ بالصلوٰۃ والزکوٰۃ (مریم، ع ۴) — وہ اپنے گھر والوں کو حکم دیتے رہتے تھے نماز اور زکات کا۔

اہل سے عام طور پر مراد بی بی سے لی جاتی ہے (وعبر باھل الرجل عن امراتہ۔ راغب) تو آپؑ کی بی بی صاحبہ کا وجود تو بہرحال اس سے نکل آتا ہے۔ باقی اس کے اصل معنی میں وسعت و عموم ہے، اس لئے ترجمہ "گھر والے" اور "متعلقین" اور "اہل و عیال" بھی صحیح ہے۔ اور استدلال پورے خاندان کے وجود پر بھی اس سے ہو سکتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے سلسلے میں ذکر ان کی ذریت کا بھی آتا ہے، جو اولاد اور اولاد در اولاد، پورے سلسلۂ نسل پر حاوی ہے۔

(۲۸) قال ومن ذریتی (البقرۃ، ع ۱۵) — ابراہیم نے کہا، اور میری نسل کیا (اس انعام میں حصہ دار ہوگی)؟

انھیں ابراہیم کی زبان سے پھر ان کی ذریت کا ذکر ہوا ہے۔

(۲۹) ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع (ابراہیم ع ۶) — اے ہمارے پروردگار میں نے بسا دیا ہے اپنی ذریت کو ایک بے کاشت میدان میں۔

اور وہی چار سطروں کے بعد ایک بار پھر۔

(۳۰) رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی (ایضاً) — اے پروردگار، نماز کا اہتمام رکھنے والا بنا دے مجھکو بھی اور میری ذریت میں سے بھی بعض کو

اور آپ ہی کے سلسلے میں ذریت کا لفظ دو جگہ اور بھی آیا ہے۔

(۳۱) وجعلنا فی ذریته النبوة والکتاب۔ (العنکبوت ع ۳) — ہم نے قائم رکھا ان کی نسل میں نبوت اور کتاب۔

(۳۲) ومن ذریته داود وسلیمٰن (الانعام ع ۱۰) — اور ان کی نسل میں سے (ہدایت دی ہم نے) داؤد اور سلیمان کو۔

ایک جگہ ذریت ابراہیمؑ کو ذریت یعقوبؑ کے ساتھ ملا کر کہا ہے:

(۳۳) ومن ذریة ابراهیم و اسرائیل۔ (مریم ع ۴) — اور ابراہیم اور یعقوب کی ذریت سے (بھی)

ایک قدیم جلیل القدر پیمبر حضرت نوحؑ ہوئے ہیں۔ آپ کی زوجۂ نافرمان کا ذکر ایک جگہ صراحت کے ساتھ ہے۔

(۳۴) ضرب الله مثلاً للذین کفروا امرات نوح وامرات لوط (التحریم ع ۲) — اللہ کافروں کے واسطے حال بیان کرتا ہے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کا۔

اور آپ صاحب اولاد بھی تھے۔ ایک نافرمان بیٹے کا ذکر صراحت کے ساتھ آتا ہے۔

(۳۵) ونادیٰ نوحؑ ابنه وکان فی معزل یٰبنی ارکب معنا (ہود ع ۴) — اور نوح نے اپنے فرزند کو پکارا اور وہ الگ جگہ پر تھا کہ اے میرے پیارے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا۔

اور پھر اسی بیٹے کا ذکر دو چار سطروں کے بعد

(۳۶) فقال رب ان ابنی من اهلی — اور (نوح نے) عرض کی کہ اے میرے پروردگار

وانّ وعدک الحق — میرا لڑکا بھی تو میرے گھر والوں میں سے ہے
(ایضاً) — اور تیرا وعدہ بالکل سچا ہے۔

آپؑ ہی کے سلسلے میں آپؑ کے "اہل" اور آپ کی "ذریت" دونوں کا ذکر آتا ہے، جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ کنبے اور نسل والے تھے

(۳۷) ونجینٰہ واھلہ من الکرب العظیم وجعلنا ذریتہ ھم الباقین (الصافات ع ۳) — اور ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بڑے بھاری کرب سے نجات دی۔ اور ہم نے باقی انھیں کی نسل کو رہنے دیا۔

اس سے یہاں تک معلوم ہو گیا کہ آپؑ کی نسل کا نہ صرف وجود تھا، بلکہ غرقابی سے وہی بچی رہی اور اسی سے آبادی کا سلسلہ چلا۔

بی بی کی ذات اہل میں خود ہی شامل ہے۔ اور "ابن" کا وجود اس کے وجود کو مستلزم ہے تاہم قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ بھی زوجۂ نوحؑ کا ذکر کیا ہے، گو وہ ذکر خیر نہ ہو۔

(۳۸) ضرب اللہ مثلاً للذین کفروا امرأۃ نوح وامرات لوط کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین (التحریم، ع ۲) — اور اللہ کافروں کے لئے حال بیان کرتا ہے نوح کی بی بی اور لوط کی بی بی کا وہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو صالح بندوں کے نکاح میں تھیں۔

حضرت لوطؑ نبی کی بی بی، نافرمان بی بی، کا ذکر ایک جگہ تو تصریح کے ساتھ آیا ہے۔

(۳۹) امرات نوح وامرات لوط (ایضاً) — نوح کی بی بی اور لوط کی بی بی

اور چار جگہ اور، حضرت لوط ہی کے سلسلے میں ضمیر غائب کے ساتھ (وامراتہ) الحجر، ع ۴، النمل، ع ۴، الاعراف، ع ۱۰، العنکبوت، ع ۵
اور دو جگہ اور، حضرت لوط سے ضمیر مخاطب کے ساتھ، ہود، ع ۷۔
العنکبوت، ع ۴

حضرت لوطؑ کی بیوی کے علاوہ ذکر آپ کے خاندان کا، آپ کے، اہل کا اور آپ کے آل کے لفظ سے بھی بار بار آیا ہے۔ آل لوط کا ذکر ان چار مقامات پر، الحجر، ع ۴ و ع ۵، النمل، ع ۴ القمر، ع ۲۔ اور 'اہلہ' یا 'اہلك' کے لفظ سے ان پانچ مقامات پر۔ الحجر، ع ۵، العنکبوت، ع ۴ الاعراف، ع ۱۰، النمل، ع ۴، ہود، ع ۷، آپ کا صاحب خاندان ہونا جس میں لڑکیاں لڑکے سب آ گئے، انھیں آیتوں سے ظاہر ہے۔ اور آپ کی صاحبزادیوں کا ذکر صراحت کے ساتھ ان آیتوں میں موجود ہے۔

(۴۰) قال ھؤلاء بنتی ان کنتم فعلین۔ (الحجر ع ۵)	(لوط نے اپنی قوم والوں سے) کہا کہ یہ میری بیٹیاں موجود ہیں، اگر تم میرا کہا کرو۔
(۴۱) قال یقوم ھؤلاء بنتی ھن اطھر لکم (ہود، ع ۷)	(لوط نے) کہا اے میری قوم والو یہ میری بیٹیاں موجود ہیں، یہ تمھارے لئے پاکیزہ تر ہیں۔
(۴۲) قالوا لقد علمت ما لنا فی بناتك من حق۔ (ایضاً)	وہ لوگ بولے، آپ کو خوب معلوم ہے کہ آپ کی بیٹیاں ہمارے کام کی نہیں۔

حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ دونوں کی نسل کا سلسلہ چلنے اور

اسی میں سے پیمبروں کے ہوتے رہنے کی شہادت بھی قرآن مجید دے رہا ہے۔

(۴۳) ولقد ارسلنا نوحًا و ابراھیم وجعلنا فی ذریتھما النبوۃ والکتاب (الحدید، ع ۴) — اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ان دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب جاری رکھی۔

ذریت کا لفظ حضرت اسمٰعیلؑ کی زبان سے خود اپنے سلسلے میں ادا ہوا ہے۔ اور اپنی اسی نسل سے آپ نے ایک پوری امت مسلمہ کے ظہور کی دعا کی ہے۔ آپؑ اور آپ کے والد ماجد حضرت ابراہیم خلیلؑ دونوں مل کر دعا کرتے ہیں۔

(۴۴) ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک (البقرۃ، ع ۱۵) — اے ہمارے پروردگار ہم دونوں کو اپنا اور زیادہ فرمان بردار بنا لے اور ہماری نسل میں سے ایک (پوری) امت اپنی فرمانبردار اٹھا،

ایک پیمبر جلیل حضرت یعقوبؑ ہوئے ہیں، اسرائیل انھیں کا دوسرا نام تھا۔ اور ان کی نسل، یعنی بنی اسرائیل کا ذکر قرآن مجید میں اس تفصیل و تکرار کے ساتھ آیا ہے، کہ اس سب کا نقل کرنا، ایک کھلی ہوئی حقیقت کو بلا ضرورت طوالت دینا ہے۔ باقی خود لفظ یعقوب کے ساتھ آپ کی اولاد کا بھی ذکر کہیں صراحۃً اور کہیں دلالۃً قرآن مجید میں موجود ہے۔

(۴۵) اذ قال یوسف لابیہ — وہ وقت قابل ذکر ہے جب یوسف نے

یٰابت انی رایت احد عشر کوکبا والشمس والقمر رایتھم لی ساجدین قال لا تقصص رؤیاک علی اخوتک (یوسف، ع ۱)	اپنے والد سے کہا، کہ اے باپ میں نے (خواب میں) گیارہ تارے اور سورج اور چاند کیلئے ہیں دیکھا کیا ہوں کہ وہ میرے آگے جھکے ہوئے ہیں آپ نے فرمایا کہ اپنے (اس خواب کو اپنے بھائیوں کے سامنے نہ بیان کرنا۔

آیت سے نہ صرف یوسف علیہ السلام کے متعدد بھائیوں (یا حضرت یعقوب کی متعدد اولادوں) کا ہونا نکل آیا، بلکہ ان کی تعداد بھی گیارہ نکل آئی سب دوسرے لفظوں میں حضرت یعقوبؑ کے صاحبزادے بارہ کی تعداد میں تھے۔

اور پھر چند سطروں بعد ذکر انھیں برادران یوسف کا ہے۔

(۴۶) لقد کان فی یوسف واخوتہ ایٰت للسآئلین (یوسف، ع ۲)	بے شک، یوسف اور ان کے بھائیوں (کے قصے) میں (بڑی) نشانیاں موجود ہیں۔ سوال کرنے والوں کے لئے۔

اولاد یعقوبؑ کے وجود، اور ان کی تعداد پر یہ قرآنی شہادتیں تو دلالتہً ہیں۔ اب اولاد کے وجود پر شہادت صریح بھی ملاحظہ ہو۔ ایک جگہ حضرت یعقوبؑ کی زبان سے ہے۔

(۴۷) ویتم نعمتہ علیک وعلیٰ اٰل یعقوب کما اتمھا علیٰ ابویک من قبل (یوسف، ع ۱)	(اے یوسف تمہارا رب تم پر اپنے انعام کی تکمیل کرے گا، اور اولاد یعقوب پر (بھی) جیسا اس کے قبل تمہارے دادا پردادا پر کر چکا ہے،

پھر حضرت زکریا کی زبان سے جو دعا کرائی ہے اس میں بھی ہے۔

(۴۸) فہب لی من لدنک ولیا — (اے پروردگار مجھے خاص اپنے پاس سے
یرثنی ویرث من آل یعقوب۔ — ایک ایسا وارث دیجیے جو میرا بھی وارث
(مریم ۵-۶) — بنے اور اولاد یعقوب کا بھی) وارث بنے،

اور پھر جہاں اپنی اولاد سے وصیت توحید کا ذکر حضرت ابراہیم کے
بیان ہوا ہے، وہیں اس کا عطف یعقوب علیہ السلام پر بھی ہے۔

(۴۹) ووصی بہا ابراہیم بنیہ — اسی (دین توحید) کا حکم دے رہے تھے ابراہیم
ویعقوب یابنی ان اللہ اصطفی — اپنے بیٹوں کو اور یعقوب بھی (اپنے بیٹوں
لکم الدین — کو) کہ اے میرے بیٹو، اللہ نے اس دین کو
(البقرۃ ۱۳۲) — تمہارے لئے انتخاب کر لیا ہے۔

اس کے بعد مخصوص حضرت یعقوب کے ذکر آیا ہے۔

(۵۰) ام کنتم شہداء اذ حضر — کیا تم لوگ (اس وقت) موجود تھے جب
یعقوب الموت اذ قال لبنیہ — حضرت یعقوب کا آخری وقت آیا جب انہوں
ما تعبدون من بعدی (البقرہ) — نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم لوگ میرے بعد کس چیز کی پرستش کرو گے؟

ایک اور پیغمبر جلیل، نبی آخر میں، حضرت ایوب گزرے ہیں
جن کا ذکر قرآن مجید میں بصراحت آیا ہے۔ آپ غالباً فرزندان
یعقوب کے ہم عصر تھے۔ اور آپ کا وطن، شہر عوض (عوص) تھا۔
عرب کے شمال مغرب میں، کنعان یا فلسطین کی مشرقی سرحد سے متصل
آپ کے بھی کنبہ یا خاندان کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔

(۵۱) ووھبنا لہٗ اھلہ ومثلھم معھم رحمۃ منا وذکرٰی لاولی الالباب
(ص۔ ع ۴)

اور ہم نے انھیں ان کا کنبہ (دوبارہ) عطا فرما دیا اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور بھی اپنی رحمت (خاصّہ) سے اور اہلِ دانش میں یادگار رہ جانے کے لئے۔

اور اسی مضمون کو خفیف لفظی فرق کے ساتھ پھر دُہرایا ہے۔

(۵۲) واتینٰہ اھلہ ومثلھم معھم رحمۃ من عندنا وذکرٰی للعٰبدین
(الانبیآء ع ۶)

اور ہم نے انھیں ان کا کنبہ (دوبارہ) عطا فرما دیا اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور بھی اپنی رحمت (خاصّہ) سے اور عبادت گزاروں میں یادگار رہ جانے کے لئے۔

حضرت داؤد ہی کے سلسلے میں آپ کی نسل کا ذکر صیغۂ خطاب میں آتا ہے۔

(۵۳) اعملوا آل داؤد شکرا
(السبا۔ ع ۲)

اے داؤد کی نسل والو تم شکریہ میں (نیکیاں) عمل کرو۔

اور اسی سے ظاہر ہے کہ آپ کی ازواج (بہ صیغۂ جمع) نہیں تو کم سے کم ایک بی بی تو ضرور ہی ہوں گی۔ اور آپ کے ایک فرزند کے نام کی بھی تصریح موجود ہے۔

(۵۴) ووھبنا لداؤد سلیمٰن
(صٓ۔ ع ۳)

اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا۔

حضرت موسیٰ و حضرت داؤد جیسے پیمبران عالی مقام کا صاحبِ اولاد

ہونا، توریت و تاریخ سے تو ثابت ہی ہے، قرآن مجید نے بھی ضمناً سہی اس حقیقت کا اثبات کیا ہے۔

(۵۵) وقال لھم نبیھم ان اٰیۃ ملکہ ان یاتیکم التابوت فیہ سکینۃ من ربکم وبقیۃ مما ترک اٰل موسیٰ واٰل ھارون (البقرۃ ع ۳۲)

ان (بنی اسرائیل) سے اُن کے (زمانہ کے) پیمبر نے کہا، کہ اس (طالوت) کے بادشاہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا، جس میں تسکین کی چیز ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جنکو اولاد موسیٰ اور اولاد ہارون تبرکاً سے لئے چھوڑ گئے ہیں

ان ساری آیتوں سے یہ واضح ہوگیا، کہ بہ طور ایک عمومی قاعدہ کے ہر نبی صاحب اہل و عیال ہوتا ہے۔ اور متعدد پیمبران جلیل کے (جن میں سب سے سر بلند ہمارے رسول کریم صلعم ہیں) اہل و عیال کا ذکر قرآن مجید نے بہ صراحت بھی کر دیا ہے ——— اتنا ہی نہیں ہے، پیمبران کرام نے اولاد کی تمنا و آرزو بھی کی ہے۔ چنانچہ حضرت زکریا کی اس آرزو و دعا کا ذکر قرآن مجید نے بہ تصریح و بہ تکرار کیا ہے

(۵۶) وزکریا اذ نادیٰ ربہ رب لا تذرنی فردا وانت خیر الوارثین۔ (الانبیاء ع ۶)

اور زکریا کا بھی تذکرہ کیجئے) جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا، کہ اے میرے پروردگار مجھے لاوارث نہ رکھیو اور حقیقتہً سب سے بہتر وارث تو، تو خود ہی ہے۔

اولاد صالح کی یہ تمنا آپ نے اس حال میں کی، کہ جب آپ اس سن کو پہنچ چکے تھے، جب عادۃً اولاد کی توقع باقی نہیں رہتی، اور آپ کی اہل خانہ بچہ جننے کے ناقابل سمجھ لی گئی تھیں۔ اور دعا بھی آپ نے بڑے چاؤ اور للک کے ساتھ کی ہے:-

(۵۷) قال رب انی وهن العظم منی واشتعل الراس شیبا و لم اکن بدعائك رب شقیا ه وانی خفت الموالی من ورائی وکانت امراتی عاقرا فهب لی من لدنك ولیا ه یرثنی ویرث من ال یعقوب واجعله رب رضیا۔

(مریم، ع ۱)

(زکریا نے) عرض کی کہ اے میرے پروردگار میری ہڈیاں کمزور ہو چکیں ہیں۔ اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیل پڑی ہے اور تجھ سے مانگ کر اے میرے پروردگار میں کبھی محروم نہیں رہا ہوں۔ مجھے اپنے رشتہ داروں کی طرف سے اندیشہ ہے اور میری بی بی عقیم ہیں۔ تو تو اپنے فضل خاص سے مجھے ایسا وارث عطا کر دے جو وارث بنے اور اولاد یعقوب کا وارث بنے اور اسے اے میرے پروردگار مقبول بھی کر۔

دعا قبول ہوئی۔ موانع حمل ہٹا دیئے گئے اور فرزند صالح کی بشارت مل گئی۔

(۵۸) فاستجبنا له ووهبنا له یحیی واصلحنا له زوجه

(الانبیاء ع ۲)

سو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی۔ اور ہم نے ان کو یحیٰی فرزند عطا کیا۔ اور ان کے لئے ان کی بی بی کو اولاد کے قابل بنا دیا۔

دعا بڑے مبارک وقت و محل میں کی گئی تھی اور دعا ذریت صالح

کے لئے تھی۔ حجرہ بیت المقدس میں مریمؑ کے پاس خارق عادت نعمتیں دیکھ کر معاً آپ نے دعا کی تھی۔

(۵۹) ھنالک دعا زکریا ربہٗ قال رب ھب لی من لدنک ذریۃ طیبۃ انک سمیع الدعاء (آل عمران ع ۴)

وہیں (یا اسی وقت) زکریا نے اپنے پروردگار سے دعا کی عرض کی کہ اے میرے پروردگار، مجھے اپنے (فضل) خاص سے ذریت طیب عطا کر بےشک تو بڑا سننے والا ہے دعا کا،

بشارت عین حالت نماز میں فرشتوں کی زبان سے ملی کہ فرزند نہ صرف تولد ہوگا، بلکہ ہر طرح صالح وسعید، یہاں تک کہ نبی ہوگا۔

(۶۰) ان اللہ یبشرک بیحیٰی مصدقاً بکلمۃ من اللہ وسیداً وحصوراً ونبیاً من الصالحین (ایضاً)

کہ اللہ آپ کو بشارت دیتا ہے یحییٰ کی جو کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے اور سردار ہوں گے اور اپنے نفس کو بہت روکنے والے ہوں گے اور نبی بھی ہوں گے صالحین میں سے

بشارت تھی اتنی حیرت انگیز اور اسباب ظاہر کے لحاظ سے اتنی مستبعد کہ کہاں تو خود ہی اس کے لئے دعا کی تھی اور کہاں عام بشری ذہنیت کے مطابق، اس پر فرط حیرت سے جرح کرنے لگے، کہ ایک تو میں ضعیف، دوسرے میری بی بی عقیم۔ ان دو دو معذوریوں کے ہوتے ہوئے میرے اولاد ہوگی کیونکر؟

(۶۱) قال رب انی یکون لی غلام وقد بلغنی الکبر وامراتی عاقر

عرض کی اے میرے پروردگار میرے لڑکا ہوگا کیونکر، درآنحالیکہ میں بڑھاپے کو پہنچ

چکا ہوں اور میری بی بی بھی عقیم ہے۔ (ایضاً)

اور جب دوبارہ اسی وعدہ کے تحقق کا یقین دلایا گیا، تو آخر میں اتنا کہے بغیر پھر بھی نہ رہ سکے،

(۶۲) ربّ اجعل لّی اٰیۃ — اے میرے پروردگار میرے لئے کوئی نشانی مقرر کیجئے۔ (ایضاً)

اور جواب ملا کہ

(۶۳) اٰیتک الّا تکلّم النّاس ثلٰثۃ ایّام الّا رمزاً — نشان تمہارے لئے یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین دن بات چیت نہ کرسکو گے بجز اشارہ کے۔ (آل عمران ع ۴)

یہ سب آیتیں تو صراحت سے حضرات انبیاء سے متعلق ہیں۔ باقی ایک جگہ ذکر "عباد الرحمٰن" (اللہ کے خصوصی اور مقرب بندوں) کا ہے۔ اور وہاں ان کی ایک علامت یہ بھی بتائی ہے کہ

(۶۴) والّذین یقولون ربّنا هب لنا من ازواجنا وذرّیّتنا قرّۃ اعین واجعلنا للمتّقین اماماً (الفرقان، ع ۶) — یہ وہ لوگ ہیں جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو پرہیزگاروں کا سردار بنادے

اور عباد الرحمٰن میں ظاہر ہے کہ سب سے اشرف و اعلیٰ مرتبہ حضرات انبیاء کا ہوتا ہے، اس لئے اگر اس دعا و تمنا کا تعلق ان حضرات سے بھی سمجھ لیا جائے، تو یہ کوئی بیجا اور بعید بات نہ ہوگی۔

غرض یہ کہ اہل و عیال کا ہونا نہ صرف یہ کہ نبوت کے منافی کسی درجہ میں بھی نہیں، بلکہ کثرت سے انبیاء صاحب ازواج و اولاد رہے ہیں بلکہ بعض نے تو عین اس کی تمنا اور دعا بھی کی ہے، یہاں تک کہ ایسے سن میں کی ہے، جب عموماً اس کی آرزو باقی ہی نہیں رہتی۔ تو انبیاء میں بشریت اس خاص حیثیت سے نہ صرف موجود بلکہ نمایاں رہی ہے۔

وزیروں، امیروں، درباریوں میں کوئی زیادہ سے زیادہ بھی
مقرب ہو، پھر بھی کہاں وہ کہاں بادشاہ! ایاز، سلطان محمود کا
محبوب ترین افسر تھا، اس پر بھی سلطان سلطان ہی تھا اور غلام
غلام! ——— یہ تناسب جب دنیا کے شاہ و رعایا، آقا و غلام میں
پایا جاتا ہے، جو بہر حال مجبور مخلوق ہونے کے لحاظ سے سب ایک ہی
سطح پر ہیں، تو پھر سلطانِ حقیقی، اور بندہ، اور خالق اور مخلوق کے
درمیان فرق کا کہنا ہی کیا! بعد و مقدار کے لئے زبان میں چلتے ہوئے
جتنے بھی لفظ ہیں، سب اس کی مقدار فرق کے اظہار سے قاصر، بجز ایک
لفظ بے انتہا کے۔ اس بے حد و نہایت فرق کی بنا پر آقا کو اختیار ہے
کہ غلام کو جس خطا، جس لغزش، جس جرم پر جو چاہے سزا دے، اور

اور جن لفظوں میں چاہے۔ اس کو تنبیہ کرے ـــــ یہ حقیقت بنیادی طور پر پیش نظر رہے، تو آیندہ سطور کے پڑھنے میں آسانی رہے گی، پیمبر اس طرح نہیں پیدا کیے جاتے، کہ ان کی فطرت ہی سے معصیت کی صلاحیت سلب کر لی گئی ہو۔ اگر ایسے ہوں تو انھیں بشر کہا ہی کیوں جائے، وہ فوق البشر ہی نہ ہو جائیں۔ ایسی فطرت تو صرف ملائکہ (فرشتوں) کی ہوتی ہے ـــــ حضرات انبیاء بھی نہیں کہ بہت دفعہ لغزشوں کے قریب پہنچ گئے ہیں، بلکہ کبھی کبھی تو لغزشیں ان سے سرزد ہو کر بھی رہی ہیں۔ پھر عین وقت پر رحمت الٰہی نے اس ٹوٹتے ہوئے تعلق کو از سر نو جوڑ دیا۔

انبیاء کی زندگی کے دو دور کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ پہلا دور رہبری کی زندگی کا قبل نبوت ہوتا ہے۔ دوسرا وہ، جب وہ منصب نبوت پر سرفراز ہو چکا ہوتا ہے۔ پہلے دور میں، گو اس میں بہترین صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں، اور اپنے عام اخلاق و اطوار میں وہ اپنے ہم چشموں سے علانیہ ممتاز ہوتا ہے، پھر بھی لغزشوں کا اس کے لئے نہ صرف امکان رہتا ہے، بلکہ واقعۃً ان کا صدور بھی اس سے ہو چکا ہوتا ہے، سب سے پہلا سبق آموز قصہ اس بارے میں حضرت آدمؑ کا ہے۔ وہ ابھی روئے زمین پر بہ حیثیت نبی آئے بھی نہ تھے، کہ شیطان نے اپنی دسیسہ اندازی کا اثر ان پر ڈال ہی دیا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ

(۱) فازلهما الشيطان عنها ـــــ شیطان نے ان دونوں (آدم و زوج آدم)

(البقرۃ، ع ۴) کو اس مقام سے ڈگا دیا۔

حضرت آدمؑ کی ذات کی حد تک دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے۔

(۲) فوسوس الیہ الشیطان پھر شیطان نے ان (آدم) کو وسوسہ میں (طٰہٰ، ع ۷) ڈال دیا۔

دوسری جگہ اس اجمال کی مختصر سی تشریح بھی ہے۔

(۳) فوسوس لھما الشیطٰن ..... فدلّٰھما بغرور (الاعراف، ع ۲) تو شیطان نے ان دونوں (آدم و زوج آدم) میں وسوسہ ڈالا اور دونوں کو دھوکے سے نیچے لے آیا۔

ابوالبشر پر شیطان کی یہ وسوسہ اندازی کامیاب ہوئی۔ اور آپؑ سے شجر ممنوعہ کا پھل کھا لینے کی لغزش کا واقعی صدور ہو کر رہا۔

(۴) فاکلا منھا (طٰہٰ ع ۷) دونوں نے اس (درخت) سے کھا لیا۔

یہی حقیقت دوسرے لفظوں میں۔

(۵) فلما ذاقا الشجرۃ (الاعراف، ع ۲) جب دونوں نے اس (درخت) سے چکھ لیا۔

لغزش کے طبعی نتیجے بھی معاً ظاہر ہوئے، اور گرفت بھی نافرمانی پر فوراً ہوئی۔

(۶) الم انھکما عن تلکما الشجرۃ واقل لکما ان الشیطن لکما عدو مبین (ایضاً) کیا میں تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کر چکا تھا۔ اور یہ نہیں کہہ چکا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا ہوا دشمن ہے۔

جرم اس درجہ کا تھا، کہ اس پر عصیان و غوایت کا اطلاق صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔

(۷) وعصیٰ اٰدم ربہٗ فغوی (طٰہٰ۔ ع ۷) اور آدم نے اپنے رب کا قصور کیا، سو وہ بھٹک گئے۔

اور شیطان کی یہ کامیابی آدم دشمنی، نسل آدم کے سامنے بہ طور مستقل درس عبرت کے پیش فرمائی گئی۔

(۸) یٰبنی اٰدم لا یفتننکم الشیطٰن کما اخرج ابویکم من الجنۃ ینزع عنھما لباسھما لیریھما سواٰتھما (الاعراف، ع ۲) اے آدم زادو، شیطان تمھیں کہیں فتنہ میں ڈال دے، جیسا کہ اس نے تمھارے دادا دادی کو جنت سے نکلوا دیا تھا اس حال کے ساتھ کہ انکا لباس بھی ان سے اتروا لیا تھا جس سے ان کے ستران کو دکھائی دینے لگے۔

غرض صراحت، بلکہ صراحت در صراحت تو حضرت آدمؑ کی زلت کی تو ہو چکی، لیکن یہ ساری حکایت ان کے دور قبل نبوت کی ہے نبوت سے سرفراز تو وہ اس دنیا میں آنے کے بعد ہوئے ہیں ــــــ اور ایسی ہی صراحت حضرت موسیٰؑ کے دور قبل نبوت کی ایک لغزش کی وارد ہوئی ہے۔ مصر میں ایک قبطی ایک اسرائیلی سے جھگڑ رہا تھا۔ اسرائیلی کی فریاد پر آپ اس کی مدد کر گئے۔ آپ کے گھونسے کی ضرب سے وہ قبطی اتفاقاً مر گیا۔ اس کا ذکر خود آپ کی زبان سے ہے۔

(۹) فوکزہٗ موسیٰ فقضیٰ علیہ موسیٰ نے اس کے مکا مارا، جس نے اس کا

قال ھذا من عمل الشیطن انہ عدو مضل مبین	کام ہی تمام کر دیا۔ آپ نے کہا یہ تو عمل شیطانی ہوا۔ بیشک شیطان تو کھلا ہوا
(القصص۔ ع ۲)	دشمن ہے گمراہ کرنے والا۔

دوسری جگہ بھی آپ ہی کی زبان سے نقل ہوا ہے۔

(۹) قال فعلتھا اذاً وانا من الضالین ففررت منکم لما خفتکم فوھب لی ربی حکماً وجعلنی من المرسلین۔	آپ نے کہا، کہ مجھ سے یہ عمل ایسے وقت سرزد ہوا، جب میں بھٹکے ہوؤں میں تھا۔ اس پر میں تمہارے ہاں سے، جب مجھے تم سے خوف معلوم ہوا، بھاگ گیا۔ پھر اللہ نے مجھے حکمت
(الشعرآء۔ ع ۲)	اور نبوت سے سرفراز کیا۔

تو یہ ساری سرگزشت، دو پیمبروں کی، اُن کے دور نبوت سے قبل کی تھی۔ لیکن خود نبوت مل جانے کے بعد بھی یہ نہیں ہوتا کہ نبی سے بشریت ہی سلب کر لی جائے، اس کی فطرت ایسی بنا دی جائے کہ شیطانی تحریک سے اثر پذیری کی صلاحیت ہی اس میں باقی نہ رہ جائے اور پیمبری دعوت میں خلط شیطانی کی سرے سے گنجائش ہی نہ رہنے پائے۔ حضورؐ کو مخاطب کر کے ایک عام قاعدہ سارے انبیاء کے لئے سُنا دیا گیا۔

(۱۰) وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطن فی امنیتہ	ہم نے آپ سے قبل کوئی رسول اور نبی ایسا نہیں بھیجا، جس کو یہ پیش نہ آیا ہو کہ جب اس نے کچھ پڑھا، تو شیطان نے اس کے پڑھنے

(الحج۔ ع ۷) میں شبہ ہی ڈال دیا ہو۔

اور اس اجمالی بیان کے علاوہ، تین پیمبروں کا تو نام لے کر اُن کی لغزشوں کی صراحت فرمائی گئی ہے۔ ایک ان میں سے حضرت سلیمانؑ ہیں۔ ان کے ذکر میں ہے کہ ایک بار کسی دنیوی مال (روایتوں میں ذکر گھوڑوں کا آتا ہے) کا جائزہ لیتے وقت عبادت کا وقت آپ سے ٹل گیا تھا۔ اسے آپؑ ہی کی زبان سے ادا کیا ہے۔

(۱۱) فقال انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتی توارت بالحجاب (ص۔ ع ۳) بولے، میں اس مال کی محبت میں اپنے پروردگار کی یاد سے غافل ہو گیا یہاں تک کہ آفتاب پردہ میں چھپ گیا۔

دوسرا ذکر آپؑ ہی کے والد ماجد حضرت داؤدؑ کا ہے۔ آپؑ سے بھی کوئی ایسی لغزش صادر ہو گئی تھی، جس کی تصریح قرآن مجید میں نہیں۔ لیکن بہرحال آپ کو اس سے استغفار کرنا پڑا تھا۔

(۱۲) وظن داؤد انما فتنٰہ فاستغفر ربہ وخر راکعا واناب۔ فغفرنا لہ ذالک (ص۔ ع ۲) اور داؤد کو خیال گزرا کہ ہم نے ان کا امتحان لیا ہے، سو انھوں نے اپنے رب سے استغفار کیا اور سجدہ میں گر پڑے (اور رجوع ہوئے)، سو ہم نے ان کو وہ معاف کر دیا۔

تیسرا نام اس سلسلے میں حضرت یونسؑ کا آتا ہے، جن کی بابت یہ صراحتیں درج ہیں۔

(۱۳) وذا النون اذ ذھب اور ذوالنون کا بھی تذکرہ کیجئے، جب وہ

مغاضبًا فظن ان لن نقدر علیه فنادی فی الظلمٰت ان لا الٰہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظٰلمین۔
(الانبیاء، ع ۶)

غصہ میں آکر چل کھڑے ہوئے اور یہ سمجھے کہ ہم ان پر کوئی گرفت نہ کر سکیں گے. پھر انہوں نے (مچھلی کے پیٹ کے) اندھیروں میں پکارا کہ (اے اللہ) تیرے سوا کوئی معبود نہیں. تو پاک ہے میں بے شک قصورواروں میں ہوں۔

ہمارے نبی اکرم صلعم کی ذات چونکہ انبیاء میں کامل ترین و جامع ترین ہوئی ہے، اور قیامت تک کے لئے ہر ملک اور ہر زمانے کے لئے نمونہ اور حجت و سند کی حیثیت رکھتی ہے. اس لئے قدرۃً سب سے زیادہ احتساب بھی آپؐ ہی کے لئے مخصوص رہا ——— پہلی تنبیہ جو ہوئی ہے، وہ آپؐ کو حضرت یونسؑ ہی کی مثال دے کر فرمائی گئی ہے جو اپنے پروردگار سے وقتی طور پر روٹھ گئے تھے۔

(۱۴) فاصبر لحکم ربک ولا تکن کصاحب الحوت اذ نادیٰ وھو مکظوم
(القلم ع ۲)

آپ اپنے پروردگار کی تجویز پر (وہ جو کچھ بھی ہو) صبر سے قائم رہیے، اور مچھلی والے (پیمبر) کی طرح نہ ہو جائیے، جب کہ انہوں نے دعا کی. اس حال میں کہ وہ غم سے گھٹ رہے تھے

حضورؐ کی حفاظت خصوصی کا انتظام اگر غیب سے نہ کر دیا گیا ہوتا، تو دشمنان حق و دشمنان دین خدا معلوم آپ سے کیا کیا کرا کے رہتے،

(۱۵) وان کادوا لیفتنونک عن الذی اوحینا الیک لتفتری

اور قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کو اس سے بچلا دیتے جو ہم نے آپ پر وحی کی ہے تاکہ آپ

علینا غیرہ واذاً لاتخذوک خلیلا ولولا ان ثبتنٰک لقد کدت ترکن الیھم شیئاً قلیلا (بنی اسرائیل، ع ۹)

اس کے سوا ہماری طرف غلط بات کی نسبت کر دیں، اور ایسی حالت میں یہ لوگ آپ کو گہرا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ ان کی طرف کچھ جھکنے کے قریب پہنچ گئے ہوتے

یعنی گو ہماری حفاظت نے آپ کو شیطانی اثرات سے ہمیشہ محفوظ ہی رکھا، اور آپؐ میں شائبہ بھی اُن اثرات کا نہ آنے دیا تاہم اس کا خطرہ اور احتمال تو بہرحال تھا ہی ـــــ انبیاء کی فطرت ایسی بنا کر بھیجنا کہ اُن میں کسی شیطانی تاثر کے قبول کرنے کی صلاحیت ہی سرے سے نہ رہے، حکمت الٰہی کے منافی ہے۔

آیت سے متعلق جو دوسری آیت ہے، اُسے بھی پڑھ لیجئے، تاکہ تخویف و تہدید کا پورا نقشہ ذہن کے سامنے آجائے

(۱۴) اذاً لاذقنٰک ضعف الحیٰوۃ وضعف الممات ثم لا تجد لک علینا نصیرا (ایضاً)

اگر کہیں ایسا ہو گیا ہوتا، تو ہم آپ کو دُہرا عذاب چکھاتے زندگی میں بھی اور موت میں بھی! پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کوئی بھی مددگار نہ پاتے!

پیمبروں میں سب کا سردار و سرور ہونا کوئی معمولی نعمت تھی؟ اور ظاہر ہے کہ ذمہ داریاں بھی مرتبے کے ساتھ ہی ساتھ چلتی ہیں۔ قدرۃً جتنا اہتمام آپؐ کی ذمہ داریوں کا رکھا گیا، آپ کے مرتبے ہی کی نسبت سے ہے، ذیل کی تنبیہی آیتیں بھی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں، جن میں آپؐ کو

ایک متعین لغزش پر آگاہ و متنبہ کیا گیا، حالانکہ یہ لغزش بھی، صرف صوری تھی، حقیقی نہ تھی۔

(۱۷) عبس و تولیٰ ان جاءہ الاعمیٰ وما یدریك لعلہ یزکیٰ او یذکر فتنفعہ الذکریٰ اما من استغنیٰ فانت لہ تصدیٰ وماعلیك الا یزکیٰ واما من جاءك یسعیٰ وھو یخشیٰ فانت عنہ تلھیٰ کلا (عبس)

(پیغمبر) چین بہ جبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا اس پر کہ ان کے پاس نابینا آیا۔ (اور آپ کو کیا خبر، شاید وہ سنور ہی جاتا، یا نصیحت قبول کر لیتا، سو اس کو نصیحت کرنا فائدہ پہنچاتا۔ تو جو شخص بے نیازی برتتا ہو آپ اس کی تو فکر میں پڑ جاتے ہیں حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنورے اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ خشیت بھی رکھتا ہے، آپ اس سے بے توجہی کرتے ہیں زنہار (ایسا نہ کیجئے)

نابینا صحابی کے بجائے فوری التفات اشراف قریش کی طرف فرمانے کی بنیاد تمامتر یہ دینی مصلحت تھی کہ ایک طرف مشرکین کے اکابر کو دین توحید کے اندر لانا تھا، اور دوسری طرف ایک مومن کو صرف کوئی جزئی مسئلہ بتانا تھا۔ اور اس لئے حقیقتہً اس واقعہ میں کسی زلت (لغزش) کا صدور آپ سے ہوا ہی نہیں، لیکن بہرحال حاکم حقیقی و حکیم مطلق کی نظر میں یہ ظاہری اور صوری فروگزاشت بھی غیرت دینی کے تقاضہ کے منافی تھی اور اس لئے قابل گرفت ٹھہری۔

اسی طرح جب قرآن مجید آپ پر فرشتہ جبرئیل کے ذریعہ

نازل ہو رہا تھا، اور آپؐ وفور شوق میں فرشتہ کی قرأت کے ساتھ ہی ساتھ، خود بھی کلام پاک کو دہرانا شروع کر دیتے، تو ہدایت نازل ہوئی کہ یہ بات بیجا ہے۔

(۱۸) لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعہ وقرانہ۔ (القیامۃ، ع ۱)	آپؐ قرآن پر اپنی زبان نہ چلایا کیجئے اس خیال سے کہ آپ اس کو جلدی جلدی لے لیں۔ یہ تو ہمارے ذمے ہے اس کا جمع کر دینا اور اس کا پڑھوا دینا۔

ایک بار ایک خاص قسم کے شہد سے احتراز کا عہد آپؐ نے کسی بی بی صاحبہ کی خاطر سے کر لیا تھا۔ پیمبر کا یہ عمل صورۃً ایک حلال غذا کو اپنے اوپر حرام کر لینا تھا۔ بارگاہ خداوندی سے اس پر بھی گرفت ہوئی اور اس گرفت نے قیامت تک کے لئے قرآن مجید میں جگہ پائی

(۱۹) یاایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک (التحریم، ع ۱)	اے نبی جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے، آپ اس کو کیوں حرام کئے لیتے ہیں، اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے۔

اپنے منہ بولے بیٹے کی مُطلّقہ بی بی سے عقد کر لینا اب بھی بہت جگہ معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اور عرب جاہلیت میں تو یہ خاص طعن کی چیز تھی۔ اور محل طعن سے بچنا ہر بشر کے لئے ایک امر طبعی ہے۔ کوئی فسق یا ضلالت نہیں۔ پھر بھی حضورؐ سے جب ایک موقع پر اس تقاضائے

بشریت کا اظہار ہوا، تو معاً اوپر سے تنبیہہ بھی نازل ہوئی۔

(۲۰) وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ وتخشی الناس واللہ احق ان تخشٰہ (الاحزاب، ع ۱)	آپ اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے۔ جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور آپ اندیشہ لوگوں سے کر رہے تھے، حالانکہ اندیشہ کرنا آپ کو اللہ ہی سے سزاوار تر ہے۔

کہیں کسی مقدمہ معاملہ میں آپ اگر کسی کو بے قصور سمجھ کر اس کی رعایت یا حمایت فرمانے لگتے، تو یہ چیز بھی بارگاہ خداوندی میں آپؐ کے شایان شان نہ قرار پاتی، اور تنبیہی آیتیں، بلا تامل اس پر نازل ہوجاتیں:۔

(۲۱) انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما ارٰئک اللہ ولا تکن للخائنین خصیما واستغفر اللہ ان اللہ کان غفورا رحیما ولا تجادل عن الذین یختانون انفسھم ان اللہ لا یحب من کان خوانا اثیما۔ (النساء ع ۱۶)	بے شک ہم نے آپ پر یہ کتاب اتاری ہے حقیقت کے ساتھ تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو بتایا ہے۔ اور آپ خائنوں کی طرفداری کی بات نہ کیجئے اور استغفار کیجئے۔ بے شک اللہ بڑا مغفرت کرنے والا، بڑا رحمت والا ہے۔ اور ان لوگوں کی طرف سے وکالت نہ کیجئے جو اپنے ہی حق میں خیانت کر رہے ہیں۔ اللہ ایسے شخص کو دوست نہیں رکھتا، جو بڑا خیانت کرنے والا، بڑا گنہگار ہو۔

باب (۱۲)

دُعا، استغفار، مناجات، استعاذہ

عبدیت کا ایک بڑا، بلکہ سب سے بڑا مظہر، بندہ کی اپنے رب سے دعا و مناجات ہے، خواہ یہ دینی و اُخروی سلسلے میں ہو یا دنیوی و مادی میں۔ انسان اپنے اَن دیکھے مالک و مولا کو پکارتا اسی وقت ہے، جب کسی نہ کسی حیثیت سے اپنی بندگی، بیچارگی، ضعف، عجز کا احساس کرتا ہے۔ اور جس نسبت سے یہ احساس گہرا اور مضبوط ہو گا، اسی نسبت سے اس پکار میں، اخلاص، خضوع و خشوع بھی بڑھا ہوا ہو گا۔ اور قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی عبدیت اس معیار پر بالکل ہی پوری اُتر رہی ہے۔

سورۃ الانبیاء کے ایک رکوع میں ذکر متعدد پیمبروں کا ہے حضرت نوحؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت

اسمٰعیلؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت ذوالکفلؑ۔ حضرت یونسؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ کا۔ اور ان کے ذکر کے آخر پر ہے۔

(۱) انہم کانوا یسارعون فی الخیرات ویدعوننا رغباً و رہباً وکانوا لنا خاشعین (الانبیاء ع ۶) — یہ سب نیک کاموں کی طرف دوڑتے تھے اور ہمیں پکارتے تھے شوق و خوف کے ساتھ اور ہمارے حضور میں دب کر رہتے تھے۔

اس سے ذرا اوپر ذکر اور چند پیمبروں کا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ حضرت لوطؑ، حضرت اسحٰقؑ وحضرت یعقوبؑ کا، اور ان سب سے متعلق ہے۔

(۲) وجعلناہم ائمۃ یہدون بامرنا واوحینا الیہم فعل الخیرات واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وکانوا لنا عٰبدین۔ (الانبیاء ع ۵) — اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا کہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے، اور ہم نے ان پر وحی بھیجی نیک کاموں کے کرنے کی اور نماز کی پابندی کی اور ادائے زکات کی۔ اور یہ لوگ ہماری (بڑی) عبادت کرنے والے تھے۔

یعنی عبدیت سے بے نیازی انہیں ذرا بھی نہ تھی۔ اور وہ خود التجا و نیاز میں لگے رہتے تھے۔

سب سے پہلی تصریح ابوالانبیاء حضرت آدمؑ کے ذکر میں ملتی ہے جب ان سے معصیت کا وقوع ہو چکا تو۔

(۳) فتلقیٰ آدم من ربہ کلمٰت فتاب علیہ انہ ھو التواب الرحیم — اس کے بعد آدم نے اپنے پروردگار سے حاصل کر لئے کچھ لفظ، اور وہ (پروردگار) ان

(البقرۃ، ع ۴) رحمت کے ساتھ متوجہ ہوا۔ اور وہ ہی بڑا توبہ قبول کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

یہ "چند الفاظ" ظاہر ہے کہ توبہ و معذرت کے تھے۔

اور پھر انھیں کی زبان سے مزید تصریح ہے،

(۴) قالا ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین۔ (الاعراف ع ۲) (آدم و حوا) دونوں نے عرض کی کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے نقصان کیا اپنی جانوں پر، اگر تو ہی ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر مہربانی نہ کرے گا تو ہم سخت گھاٹے میں رہیں گے

مان لیجئے کہ یہ کلام زمانہ نبوت سے قبل کا ہے۔ اور یہی تاویل حضرت موسیٰؑ کے بھی اس کلام میں ہو سکتی ہے، جہاں آپ نے ایک صوری معصیت (یعنی قصد قتل قبطی) کے صدور کے بعد مناجات کی ہے کہ

(۵) رب انی ظلمت نفسی فاغفر لی۔ (القصص، ع ۲) اے میرے پروردگار میں نے (اس جان) اپنی جان پر ظلم کر لیا، تو تو معاف کر دے۔

اور اس کی معافی کا پروانہ بھی فوراً مل گیا۔

(۶) فغفر لہ انہ ھو الغفور الرحیم (ایضاً) سو اللہ نے انھیں معاف کر دیا، اور بیشک وہ بڑا مغفرت والا اور بڑا رحمت والا ہے۔

لیکن دوسرے مقامات پر جو صراحتیں ہیں اور وہ بھی بہ تکرار، انھوں نے مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا ہے۔ اور اشتباہ کی گنجایش نہیں باقی رکھی ہے۔

حضرت نوحؑ اپنی قوم کی مسلسل نافرمانیوں اور اپنی دعوت کی مسلسل ناکامیوں سے عاجز آ کر دعا کرتے ہیں،

(۶) رب انصرنی بما کذبون — اے میرے رب، میرا بدلہ لے اس کا کہ انھوں نے مجھے جھٹلایا ہے۔ (المومنون ع ۲)

اور کمال عجز سے یہ بھی عرض کرتے ہیں۔

(۷) انی مغلوب فانتصر — میں (ہر طرح) درماندہ ہوں، تو تو بدلہ لے لے۔ (القمر، ع ۱)

اور وحی الٰہی سے یہ خبر پا جانے کے بعد کہ اب نافرمانوں میں سے کوئی ایمان نہ لائے گا، یہ بھی عرض کرتے ہیں۔

(۸) رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا (نوح، ع ۲) — اے میرے رب زمین پر کافروں میں سے (اب) ایک باشندہ بھی نہ چھوڑ۔

اور جب حکم الٰہی سے کشتی پر مومنین کے ساتھ سوار ہوتے ہیں تو خیریت کے ساتھ اترنے کی یوں دعا مانگتے ہیں۔

(۹) رب انزلنی منزلا مبارکا وانت خیر المنزلین۔ — اے میرے رب مجھے مبارک اتارنا اتاریو اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔ (المومنون، ع ۲)

اور پھر جب آپؑ اجتہادی غلطی سے اپنے نافرمان فرزند کی نجات کی درخواست کر بیٹھے، اور جواب نذرانگ عتاب میں ملا تو پھر کس الحاح و لجاجت سے معذرت بھی پیش کرتے ہیں۔

(۱۰) رب انی اعوذ بک ان اسئلک مالیس لی بہ علم والا تغفر لی و ترحمنی اکن من الخٰسرین۔ (ھود، ع ۴)

اے میرے رب، میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس امر کی، کہ تجھ سے درخواست کروں ایسے امر کی جس کی (حقیقت کی) مجھے خبر ہی نہ ہو۔ اور اگر تو ہی میری مغفرت نہ کرے گا، اور مجھ پہ رحم نہ کرے گا، تو میں تو تباہ ہی ہو جاؤں گا۔

حضرت ابراہیم خلیلؑ۔ جب اپنے فرزند جلیل حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ کی دیواریں اٹھا رہے ہیں، تو ساتھ ہی ساتھ زبانوں پر یہ زمزمۂ عبودیت بھی ہے۔

(۱۱) ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم (البقرۃ ع ۱۵)

اے ہمارے رب (یہ خدمت) ہم سے قبول فرما، تو تو بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے

اور اسی کے ساتھ دعا بھی ذرا لمبی سی ہے۔

(۱۲) ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم (البقرۃ، ع ۱۵)

اے ہمارے رب ہم دونوں کو (اور زیادہ) مطیع بنائے اور ہماری نسل میں سے ایک ایسی امت پیدا کر دے جو تیری مطیع ہو۔ اور ہم کو ہمارے حج کے ارکان بتا۔ اور ہماری توبہ قبول کر، اور تو ہی ہے بڑا توبہ قبول کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا۔

اور پھر انھیں ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے ایک بڑی لمبی دعا، اپنے اور اپنی اولاد کے حق میں اور اپنے بسائے ہوئے شہر مکّے کے

حق میں، اس وقت منقول ہے، جب آپ نے اوّل اوّل اس شہر کو آباد کیا ہے۔

(۱۳) رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ (ابراہیم، ع ۶)

اے میرے پروردگار اس شہر کو امن والا بنا دیجیو اور مجھکو اور میرے فرزندوں کو بتوں کی پوجا سے بچائے رکھیو۔ اے میرے پروردگار انھوں نے بہتیرے آدمیوں کو گمراہ کر دیا ہے، پھر جو شخص میری راہ چلے گا تو وہ میرا ہی ہے اور جو شخص میرا کہنا نہ مانے، سو تو تو بڑا مغفرت والا، بڑا رحمت والا ہے۔ اے میرے پروردگار میں نے اپنی اولاد کو تیرے معزز گھر کے قریب بسا دیا ہے ایک میدان میں جو زراعت کے قابل نہیں۔ اے ہمارے پروردگار تاکہ وہ لوگ نماز کا اہتمام رکھیں۔ تو تو کچھ لوگوں کے دل انکی طرف مائل کر دے، اور انھیں پھل کھانے کو دے، تاکہ یہ لوگ شکر گزار رہیں۔

دعا واضح طور پر فلاح اُخروی کے ساتھ ساتھ فلاح دنیوی کے لئے بھی ہے۔ اور پوری طرح اس حقیقت کا اظہار کرتی ہے کہ حضرات انبیاء اپنی اولاد کے حق میں ان کی طلب ہدایت کے علاوہ۔ ان کی دنیوی فلاح وبہبود کے بھی کتنے آرزومند رہتے ہیں ــــ طویل دعا ابھی ختم نہیں ہوئی، ایک حصہ ابھی اور ہے۔

(۱۴) رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی ربنا وتقبل دعاء ربنا اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب۔

اے میرے پروردگار مجھ کو بھی نماز کا اہتمام رکھنے والا بنائیو اور میری بعض اولاد کو بھی۔ اے میرے پروردگار میری بھی مغفرت کر دیجیو اور میرے والدین کی بھی اور (سارے) مومنوں کی بھی، حساب قائم ہونے کے دن۔

(ایضاً)

اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا، کہ پیمبر تک خود اپنی مغفرت تک کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ اسی دعا کے درمیان میں ایک ٹکڑا امتا جاتی رنگ کا یہ بھی آ گیا ہے۔

(۱۵) الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر اسمٰعیل واسحٰق ان ربی لسمیع الدعاء

(ساری) حمد اللہ کے لئے ہو جس نے مجھے کبر سنی میں اسمٰعیل و اسحٰق (دو فرزند) عطا کئے بے شک میرا پروردگار دعا کا بڑا سننے والا ہے۔

(ابراہیم، ع ۶)

اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ انبیاء باوجود اپنی کبر سنی کے، اولاد کی طلب رکھتے ہیں، اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اور قبول دعا کے بعد اس کے لئے خصوصیت کے ساتھ شکر گزار ہوتے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ سے، قبل نبوت، جب اتفاقی طور پر ایک مصری کی ہلاکت کی نوبت آ گئی ہے۔ تو آپ بلا تامل اس کو ایک شیطانی حرکت قرار دیتے ہیں۔ اور توبہ و استغفار میں لگ جاتے ہیں۔

(۱۶) قال هٰذا من عمل الشیطٰن انّہٗ عدوٌّ مضلٌّ مبین ۔ قال ربّ انّی ظلمت نفسی فاغفرلی (القصص، ع ۲)	آپ بولے کہ یہ تو شیطانی حرکت ہوئی بے شک وہ کھلا ہوا دشمن ہے گمراہی میں ڈال دینے والا۔ (پھر) بولے اے میرے پروردگار میں نے اپنے اوپر ظلم کیا، تو مجھے معاف کر دیجیو۔

اور آئندہ کے لئے پورے محتاط رہنے کا عہد کرتے ہیں۔

(۱۷) قال ربّ بما انعمت علیّ فلن اکون ظہیرا للمجرمین (ایضاً)	عرض کی اے میرے پروردگار تو نے جو میرے اوپر انعامات کئے ہیں، تو میں اب کبھی مجرموں کا پشت پناہ نہ ہوں گا۔

پھر جب آپ کے ہاتھوں قتل واقع ہو جانے کی خبر پھوٹتی ہے، اور آپ اپنی جان کے حفظ کے لئے شہر چھوڑ کر دوسرے ملک کو جاتے ہیں تو اپنی حفاظت کے لئے بھی دعا کرتے جاتے ہیں۔

(۱۸) فخرج منہا خائفا یترقّب قال ربّ نجّنی من القوم الظّٰلمین (ایضاً)	پھر آپ اس شہر سے نکلے خوف، اور دہشت کی حالت میں (اور) بولے اے میرے پروردگار مجھے ان ظالم لوگوں سے بچائیو۔

پھر راستہ سے ناواقفیت کی بنا پر اللہ سے یہ دعا بھی مانگتے جاتے ہیں کہ کہیں راہ سے بھٹک نہ جائیں۔

(۱۹) ولمّا توجّہ تلقاء مدین قال عسٰی ربّی ان یّہدینی	پھر جب آپ مدین کی طرف ہو لئے، تو بولے کہ مجھے امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے

سوآءَ السبیل (القصص، ع ۳) سیدھے ہی راستہ پر چلائے گا۔

اس کے بعد جب آپ سفر کی منزلیں طے کر کے شہر مدین کے کنویں پر پہنچے ہیں، اور وہاں دو شریف زادیوں کی کچھ خدمت بھی کی، تو معاً آپ سایہ میں جا بیٹھے ہیں، اور رفع گرسنگی کے لئے اپنے رب سے دعا کی ہے۔

(۲۰) ثم تولّی الی الظّل فقال رب انی لمآ انزلت الیّ من خیر فقیر (ایضاً) — پھر آپ ہٹ کر سائے میں جا بیٹھے۔ اور پھر آپ نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار تو جو نعمت بھی مجھکو بھیجدے میں اس کا محتاج ہوں۔

— اس سے یہ بھی روشن ہو گیا کہ پیمبر دعائیں صرف روحانی ہی برکتوں اور عنایتوں کے لئے نہیں بلکہ طلب رزق کے لئے بھی کرتے ہیں

اسی طرح جب آپ کو نبوت عطا ہوئی ہے، تو آپ نے مناجات کی ہے، کہ میری مشکلات آسان فرما دیجئے اور اس امر مہم میں میرے بھائی کو میرا شریک منصب کر دیجئے:۔

(۲۱) قال رب اشرح لی صدری ویسّر لی امری واحلل عقدۃً من لسانی یفقھوا قولی واجعل لی وزیراً من اھلی ھرون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی — عرض کی کہ اے میرے پروردگار میرا حوصلہ فراخ کر دے، اور میرا کام آسان بنا دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ وہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے لئے میرے والوں میں سے میرا ایک معاون

امری (طٰہٰ، ع ۲) مقرر کر دے، یعنی میرے بھائی ہارون کو ان کے ذریعہ میری قوت کو مستحکم کر دے، اور انھیں میرے کام میں شریک کر دے۔

اِس درخواست کی منظوری اور عطائے نبوت کے بعد جب ایک موقع پر پھر کوہ طور پر باریابی ہوئی ہے، آپ نے درخواست لقائے رب کی کی ہے، اور آپ پر بیہوشی طاری ہو گئی ہے، اس سے افاقہ کے بعد آپ نے توبہ اپنی اس درخواست سے کی ہے۔

(۲۲) فلما افاق قال سبحٰنک تبت الیک وانا اول المومنین (الاعراف، ع ۱۷) تو جب انھیں افاقہ ہو گیا، تو انھوں نے عرض کی کہ بے شک تیری ذات منزہ ہے میں تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں اور سب سے پہلے میں ہی اس پر ایمان لاتا ہوں۔

حضرتؑ ایک بار توریت لینے کوہ طور پر گئے ہوئے تھے۔ اور اپنا نائب بنا کر حضرت ہارونؑ کو چھوڑ گئے تھے۔ اس درمیان میں حضرت ہارونؑ کی موجودگی و ممانعت کے باوجود آپؑ کی قوم نے گوسالہ پرستی شروع کر دی تھی۔ آپؑ معاً پہاڑ سے واپس آ گئے، اور قدرۃً حضرت ہارونؑ کو اس کا ذمہ دار سمجھ کر اُن سے سخت برہم ہوئے۔ پھر جب آپ پر حقیقتِ حال ظاہر ہو گئی۔ آپؑ نے اپنے اور حضرت ہارونؑ دونوں کے لئے اپنے رب سے اس کی ارحم الراحمینی کا واسطہ دے کر دعائے مغفرت کی ہے۔

(۲۳) قال رب اغفرلی ولاخی عرض کی اے میرے رب میری اور میرے

وادخلنا فی رحمتک وانت ارحم الرّٰحمین	بھائی کی مغفرت کر، اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرما، اور تو تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحیم ہے۔
(الاعراف، ع ۱۸)	

ایسے ہی ایک موقع پر آپ اپنے رب کی خیر الغافرینی کا واسطہ دے کر اس سے دعا اپنی اور اپنی ساری اُمت کی مغفرت کی کرتے ہیں،

(۲۴) تضل بھا من تشاء وتھدی من تشاء انت ولینا فاغفر لنا وارحمنا وانت خیر الغٰفرین	(ایسے امتحانوں سے) تو جسے چاہے گمراہی میں ڈال دے، اور جسے چاہے ہدایت پر قائم رکھے۔ تو ہی تو ہمارا مولیٰ ہے، تو ہی ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحم کر۔ اور تو ہی بہترین مغفرت کرنے والا ہے۔
(الاعراف، ع ۱۹)	

حضرت یونسؑ کا شمار بھی بڑے پیمبروں میں ہے۔ آپ کی مناجات واستغفار کا مذکور قرآن مجید میں دو جگہ ہے ـــــ پہلی بار یوں کہ

(۲۵) وذاالنون اذ ذھب مغاضباً فظن ان لن نقدر علیہ فنادیٰ فی الظلمٰت ان لآ الٰہ الآ انت سبحٰنک انی کنت من الظٰلمین	اور مچھلی والے (پیمبر) کا تذکرہ کیجئے، جب وہ خفا ہو کر چل کھڑے ہوئے اور یہ سمجھے کہ ہم ان پر گرفت نہ کریں گے۔ پھر انھوں نے اندھیروں کے اندر سے پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، بےشک میں قصوروار ہوں۔
(الانبیا، ع ۶)	

دوسری جگہ آپ کا نام سے کر ذکر کرنے کے بعد ہے،

(۲۶) فالتقمہ الحوت وھو ملیم	پھر انہیں مچھلی نگل گئی، اس حال میں کہ وہ
فلولا انہ کان من المسبحین	اپنے کو ملامت کر رہے تھے تو اگر وہ تسبیح
للبث فی بطنہ الی یوم یبعثون	کرنے والوں میں نہ ہوتے تو وہ قیامت تک
(الصّٰفّٰت ع ۵)	اسی کے پیٹ میں رہتے۔

یہاں گویا یہ بھی بتا دیا کہ ان پیمبر برحق کو بطن ماہی کی قید سے رہائی جو ملی، وہ اسی تسبیح و استغفار ہی کی برکت سے ملی۔

حضرت داؤدؑ کا جو مرتبہ پیمبروں میں ہے، وہ معلوم و معروف ہے، آپ کے تذکرہ میں ایک خاص واقعہ کے بعد آتا ہے۔

(۲۷) وظن داؤد انما فتنٰہ	اور داؤدؑ کو (اس سے) خیال گزرا کہ ہم
فاستغفر ربہ وخر راکعا و	نے ان کا امتحان لیا ہے، سو انھوں نے اپنے
اناب (ص، ع ۲)	پروردگار سے استغفار کیا، اور سجدہ میں گر پڑے اور رجوع ہوئے۔

اور پھر ذرا آگے بڑھ کر حضرت سلیمانؑ کی عادت رجوع و توبہ کا ذکر ہے،

(۲۸) نعم العبد انہ اوّاب۔	بڑے اچھے بندے تھے، کہ بہت رجوع
(ص ع ۳)	کرنے والے تھے۔

یہ حضرت سلیمانؑ، ایک بڑے دنیوی بادشاہ بھی تھے، اُن کے ذکر میں ہے کہ ایک بار جب اُن سے عبادت میں غفلت ہو گئی تھی

تو معاً اس کا احساس ہوا،

(۲۹) فقال انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتی توارت بالحجاب (صٓ۔ع ۳) — اور آپ کہنے لگے ہیں اس مال کی محبت میں اپنے پروردگار کی یاد سے غافل ہو گیا یہاں تک کہ آفتاب پردے میں چھپ گیا،

اور آگے ذکر ہے کہ آپ نے عملاً اس کی تلافی فرمائی۔

حضرت ایوب کا صبر ایک حکایت مشہور ہے۔ آپ کی مناجات اور فریاد کا ذکر یوں آیا ہے۔

(۳۰) اذ نادیٰ ربہ انی مسنی الشیطٰن بنصب وعذاب (صٓ، ع ۴) — جب کہ انھوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ شیطان نے مجھے رنج اور دکھ پہنچا دیا ہے۔

اور یہی تذکرہ دوسری جگہ دوسرے لفظوں میں:۔

(۳۱) وایوب اذ نادیٰ ربہ انی مسنی الضر وانت ارحم الرٰحمین (الانبیاء، ع ۶) — اور ایوب کا تذکرہ کیجئے، جب انھوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے دُکھ پہنچ رہا ہے، اور تو سب سے بڑھ کر مہربان ہے۔

پھر ایک عام وصف ان کا وہی بیان ہوا ہے۔ جو حضرت سلیمانؑ کا بیان ہو چکا ہے۔ یعنی یہ تقاضائے عبدیت، توبہ و رجوع کی عام عادت

(۳۲) نعم العبد انہ اواب (صٓ - ع ۴) — وہ بڑے اچھے بندے تھے کہ بہت رجوع ہونے والے تھے۔

دوسرے پیمبروں کا ذکر ہو چکا۔ رسول اللہ صلعم کو جہاں اور امور میں ایک امتیاز حاصل ہے۔ اس خصوص میں بھی آپ ایک حیثیت خصوصی رکھتے ہیں۔ استغفار کا کہیں تو آپؐ کو حکم صریح ملا ہے۔ اور وہ بھی مطلق صورت میں، مثلاً

(۳۳) واستغفر اللہ (النساء ع ۱۶) اپنے اللہ سے استغفار کیجئے۔

یا

(۳۴) فسبح بحمد ربك واستغفره (النصر) اپنے پروردگار کی حمد کی تسبیح کیجئے، اور اس سے استغفار کیجئے۔

اور کہیں یہ حکم ذنب کے ساتھ مقید و مضاف ہو کر ملا ہے مثلاً

(۳۵) واستغفر لذنبك وسبح بحمد ربك بالعشي والابكار (المؤمن، ع ۶) اپنے قصور پر استغفار کیجئے اور شام و صبح (اپنے پروردگار کی) پاکی اور حمد بیان کیجئے۔

یا پھر مثلاً

(۳۶) واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات (محمد، ع ۲) اپنے قصور پر استغفار کیجئے اور ایمان والوں اور ایمان والیوں کے حق میں بھی۔

اور کہیں مغفرت و رحمت دونوں کی طلب ساتھ کرنے کا حکم ہوا ہے

(۳۷) وقل رب اغفر وارحم وانت خير الرّحمين۔ اور آپ کہئے کہ اے میرے پروردگار (میری) مغفرت کیجئے۔ اور (مجھ پر) رحم کر

اور تو تو بہترین مہربان ہے۔ (المومنون۔ ع ۶)

کہیں یہ حکم ملا ہے کہ شیطان کے شر اور فتنہ سے پناہ مانگی جائے مثلاً

(۳۸) واما ینزغنک من الشیطٰن نزغٌ فاستعذ باللہ۔ (الاعراف، ع ۲۴)
اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پہنچنے لگے تو اللہ سے پناہ مانگ لیا کیجئے۔

اور انہیں لفظوں میں دوبارہ بھی یہی حکم ملا ہے،

(۳۹) واما ینزغنک من الشیطٰن نزغ فاستعذ باللہ۔ (حٰم السجدہ۔ ع ۵)
اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پہنچنے لگے تو اللہ سے پناہ مانگ لیا کیجئے۔

اور کہیں یہی پناہ مانگنے کا حکم ان لفظوں میں۔

(۴۰) قل رب اعوذ بک من ھمزٰت الشیطٰن واعوذبک رب ان یحضرون (المومنون، ع ۶)
آپ کہئے کہ اے میرے پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں شیطان کے وسوسوں سے اور میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے اس سے کہ شیطان میرے پاس بھی آئیں۔

کہیں آپ کو یہاں تک ہدایت ہوئی ہے کہ معاندر کافروں پر عذاب کی امکانی آمد سے بھی آپ اپنے لئے پناہ مانگیں

(۴۱) قل رب اما ترینی مایوعدون آپ کہئے کہ اے میرے پروردگار

رب فلا تجعلنی فی القوم الظلمین۔

(المومنون ۔ ع ۶)

جس عذاب کے دن کا کافروں سے وعدہ کیا جاتا ہے اگر تو مجھے دکھادے تو اے میرے پروردگار مجھے ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجیو۔

غرض استغفار کا ذکر، دوسرے پیمبروں کے سلسلہ میں بہ صورت حکایت وواقعہ کثرت سے آیا ہے۔ اور رسول اللہ صلعم کو استغفار واستعاذہ دونوں کا حکم بہ صراحت بار بار ملا ہے۔

باب (۱۳)
مخالفت، تکذیب و ایذا

پیغمبروں کا کام آسان کبھی نہیں رہا ہے۔ اُن کی نرمی، شفقت، اخلاص، نیک نوئی، صلح جوئی، فراست و حسن تدبر کے باوجود یہ کبھی بھی نہیں ہوا ہے کہ ان کی راہ تبلیغ ہموار اور بلا رکاوٹ رہی ہو۔ تضحیک و تمسخر، قید و بند، زد و کوب سے اُن کا مقابلہ ہمیشہ کیا گیا ہے، بلکہ نوبت کبھی کبھی تو ان کے قتل تک کی آ گئی ہے۔ اور یہ عوامی تخیل، کہ ان کی حفاظت کے لئے ہر وقت فرشتے تعینات رہتے تھے۔ جو انہیں کسی حال ذرا ضرر و گزند پہنچنے ہی نہیں دیتے تھے۔ درایت اور تاریخیت سے کوئی نسبت ہی نہیں رکھتے —— قرآن مجید بتاتا ہے کہ انبیاء سے مخالفت اور اُن کی راہ میں مزاحمت، شروع سے دنیا کا دستور چلا آ رہا ہے۔ ہر پیمبر کے ساتھ معاملہ یہی مخالفت و معاندت کا پیش آتا رہا ہے۔ اور پیمبروں کے

خلاف افترا، وبہتان کوئی انوکھی بات ہرگز نہیں۔

(۱) وکذالک جعلنا لکل نبی عدوًّا شیٰطین الانس والجن یوحی بعضہم الیٰ بعض زخرف القول غرورًا ولو شاء ربک ما فعلوہ فذرھم وما یفترون۔

(الانعام، ع ۱۴)

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کر دیئے انسان اور جنات (دونوں میں) سے۔ ایک دوسرے کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تاکہ ان کو دھوکے میں ڈال دیں اور اگر اللہ کی مشیت یہی ہوتی تو یہ ایسا نہ کر سکتے سو آپ چھوڑے رہئے ان (معاندین) کو، اور اس افترا پردازی کو جو یہ لوگ کر رہے ہیں

اور یہ بے دین، بے اعتقاد، منکرین آخرت اسی طریقے سے اپنے جتھے اور گروہ بنا بنا کر اپنے اسی شغل مخالفت انبیاء میں لگے رہا کرتے ہیں۔ چنانچہ اوپر کی آیت کے متّابعد اور اسی سے متصل ارشاد ہوا ہے:

(۲) ولتصغیٰ الیہ افئدۃ الذین لا یؤمنون بالاخرۃ ولیرضوہ ولیقترفوا ما ھم مقترفون۔ (ایضاً)

تاکہ اس کی طرف ان لوگوں کے قلوب مائل ہو جائیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور تاکہ اس کو پسند کر لیں اور تاکہ ان امور کے وہ بھی مرتکب ہو جائیں جن کے وہ ہوا کرتے تھے۔

ضد، ہٹ دھرمی اور جمود ان منکروں کے خمیر میں داخل رہے ہیں۔ جہاں ایک دفعہ کلمہ انکار ان کی زبان سے نکل گیا، بس اس

بدرجہ جاتے۔ اور اس سے ہٹنا جانتے ہی نہیں۔ حضرت نوحؑ کے بعد کی تاریخ دعوت انبیاء سنیئے:۔

(۳۲) ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ (یونس ۱ع ۸)

پھر نوح کے بعد ہم نے اور پیمبروں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا۔ سو وہ ان کے پاس نشانیاں لے کر آئے۔ پھر جس چیز کو انھوں نے پہلے جھٹلایا تھا، یہ نہ ہوا کہ پھر اس کو مان لیتے۔ ہم سرکشوں کے دلوں پر یونہی طرح بند لگا دیتے ہیں۔

ایسی شدید مخالفتیں یہ منکرین اپنے اپنے زمانہ میں پیمبروں کی کرتے آئے ہیں، کہ خود وہ انبیاء باوجود انتہائی پر اُمید اور مضبوط شخصیتیں رکھنے کے، مایوس ہو ہو اُٹھے ہیں ——— رسول اللہ صلعم کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے۔

(۳۳) وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ..... حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْــَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا (یوسف ع ۱۲)

اور ہم نے آپ سے قبل مختلف بستی والوں میں سے جتنے بھیجے سب آدمی ہی تھے جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی .... یہاں تک کہ جب پیمبر مایوس ہو گئے۔ اور انھیں یہ گمان کرنے لگا کہ کہیں انہیں سے غلط وعدہ تو نہیں ہوا، تو (اس وقت) انھیں ہماری نصرت آپہنچ گئی۔

پیغمبروں سے تمسخر، منکرین کی عام عادت ہر دور میں رہی ہے

(۵) ولقد استہزیٔ برسلٍ من قبلک (الرعد ع ۵) — جو پیغمبر آپ سے پیشتر ہو چکے ہیں تمسخر ان کے ساتھ بھی خوب ہو چکا ہے۔

پیغمبروں کی دعوت سے انکار، ان کے پیام کی حقیقت سے انکار، ان سے بات بات پر مقابلہ، یہ ان معاندین کا شیوۂ عام رہا ہے۔ قوم نوح، قوم عاد و قوم ثمود کی تصریح، اور دوسری قوموں کے اجمالی ذکر کے بعد ارشاد ہوا ہے۔

(۶) جاءتھم رسلھم بالبیّنٰت فردّوا ایدیھم فی افواھھم وقالوا انا کفرنا بما ارسلتم بہ وانا لفی شک مما تدعوننا الیہ مریب۔ (ابراہیم ع ۲) — ان کے پیغمبر ان کے پاس نشانات لیکر آئے لیکن ان قوموں نے اپنے پیغمبروں کے منہ میں اپنے ہاتھ دے دیئے اور کہنے لگے کہ جو حکم دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر ہیں اور جس امر کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو ہم اس کی طرف سے بڑے تردد میں پڑے ہوئے ہیں۔

بڑا اعتراض ان لوگوں کا اپنے پیغمبروں سے یہی رہا ہے کہ تم تو بس ہم ہی جیسے انسان ہو، تو ہادی و پیغمبر کیسے ہو سکتے ہو؟ تم تو یہی چاہتے ہو، کہ ہمیں ہمارے دین آبائی سے برگشتہ کر کے رہو۔

(۷) قالوا ان انتم الا بشر مثلنا تریدون ان تصدو — وہ بولے کہ تم تو ہم ہی جیسے ایک بشر ہو، یہ چاہتے ہو کہ ہمارے باپ دادا جس چیز

عمّا کان یعبد اٰباؤنا فاتونا بسلطٰنٍ مبین (ایضاً) — کی عبادت کرتے آئے ہیں. اس سے ہم کو روک دو. سو ہمیں کوئی کھلا ہوا معجزہ دکھاؤ

پیام حق قبول کرنا الگ رہا، الٹی انھیں سے یہ فرمایش کرتے تھے کہ تم اپنے دین جاہلی کی طرف واپس آجاؤ، ورنہ ہم تمھیں شہر بدر کرکے رہیں گے۔

(۸) وقال الّذین کفروا لرسلھم لنخرجنّکم مّن ارضنآ اولتعودنّ فی ملّتنا۔ (ابراہیم ع ۲) — اور ان کافروں نے اپنے پیمبروں سے کہا کہ ہم تم کو اپنی سرزمین سے نکال دیں گے، یا یہ کہ تم پھر ہمارے مذہب میں واپس آجاؤ۔

پیمبروں کے ساتھ تمسخر، منکرین کی ایک مستقل مستمر عادت رہی ہے۔

(۹) وما یاتیھم مّن رّسولٍ اِلّا کانوا بہٖ یستھزءون ۝ کذٰلک نسلکہٗ فی قلوب المجرمین ۝ لا یؤمنون بہٖ وقد خلت سنّۃ الاوّلین (الحجر ع ۱) — اور پیمبروں میں سے کوئی بھی ان کے پاس نہیں آیا جس سے انھوں نے تمسخر نہ کیا ہو، اسی طرح ہم یہ تمسخر مجرموں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں. یہ لوگ قرآن پر ایمان نہیں لاتے۔ اور یہ دستور اگلوں سے چلا آرہا ہے۔

استہزاء و تمسخر ان کے لئے گویا ایک جزو غیر منفک رہا ہے، جس کے نتیجے بھی برابر بھگتتے رہے ہیں۔

(۱۰) ولقد استہزئ برسلٍ مّن قبلک فحاق بالذین سخروا منہم مّا کانوا بہٖ یستہزءون۔ (الانبیاء ع ۳)

اور آپ سے پہلے جو پیمبر گزرے ہیں اُن کے ساتھ بھی تمسخر ہوا تھا سو جن لوگوں نے ان سے تمسخر کیا تھا، ان پر وہ عذاب واقع ہو گیا، جس کا وہ تمسخر کرتے تھے۔

تکذیب ہر قوم کا شعار، اپنے پیمبروں کے مقابلہ میں رہی ہے کئی ایک قوموں کو نام بنام ذکر کر کے ان کی یہی خصوصیت بیان کر دی گئی ہے۔

(۱۱) وان یکذّبوک فقد کذّبت قبلہم قوم نوحٍ وّعادٌ وّثمود وقوم ابراہیم وقوم لوطٍ وّ اصحاب مدین وکذّب موسٰی (الحج، ع ۶)

اور اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو ان لوگوں سے پہلے قوم نوح و عاد و ثمود اور قوم ابراہیم و قوم لوط اور اہل مدین بھی تکذیب کر چکے ہیں۔ اور موسٰی کی بھی تکذیب کی جا چکی ہے۔

منکروں میں سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی دشمن نبی وقت کا پیدا ہوتا رہا ہے۔

(۱۲) وکذٰلک جعلنا لکل نبیٍّ عدوًّا من المجرمین (الفرقان ع ۳)

اور اسی طرح ہم ہر نبی کے دشمن مجرم لوگوں میں سے بناتے رہے ہیں۔

اس مخالفت میں پیش پیش ہر قوم کے بڑے لوگ ہوئے ہیں۔ انھیں کو اپنی مال و دولت اور اپنے جتھے پر بڑا گھمنڈ رہا ہے۔

(۱۳) وما ارسلنا فی قریۃٍ من نذیرٍ الّا قال مترفوھا انّا بما

اور ہم نے جس بستی میں بھی کوئی ڈرانے والا بھیجا، تو وہاں کے آسودہ حال لوگوں

ارسلتم بہٖ کافرون ۔ وقالوا نحن اکثر اموالاً واولاداً وما نحن بمعذبین ۔ (السبا، ع ۴)

نے بھی کہا کہ ہم ان احکام کے منکر ہیں جنھیں دے کر تم کو بھیجا گیا ہے اور وہ بولے کہ ہم (تم سے) مال و اولاد میں بڑھ کر ہیں اور ہم پر عذاب ہونا ہوا نا نہیں ۔

بڑی بڑی ترقی یافتہ قومیں شدید مخالف اپنے پیمبروں کی رہی ہیں

(۱۴) وکذب الذین من قبلھم وما بلغوا معشار ما آتینھم فکذبوا رسلی فکیف کان نکیر (السبا، ع ۵)

اور ان سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں انھوں نے بھی تکذیب کی ہے، اور یہ (منکرین) تو اس سامان کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے ہیں، جو ہم نے ان کو دے رکھا تھا غرض انھوں نے میرے رسولوں کی تکذیب کی۔ سو میرا عذاب کیسا ہوا

رسول اللہ کی تسکین و تسلی کے موقع پر ارشاد ہوا ہے کہ آپ کی تکذیب کوئی نئی بات تھوڑے ہی ہے۔ یہ تو سارے پیمبروں کی ہوتی رہی ہے

(۱۵) وان یکذبوک فقد کذبت رسل من قبلک (الفاطر، ع ۱)

اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا رہے ہیں، تو آپ کے پیشتر بھی (سارے) پیمبر جھٹلائے جا چکے ہیں ۔

بعض قوموں کا تو نام لے کر بتایا گیا، اور باقی یہ ارشاد ہوا کہ منکرین تو ہر دور میں اپنے پیمبروں کے مقابلہ میں دست و درازی تک پر آمادہ رہے ہیں ۔

(۱۶) کذبت قبلھم قوم نوح

ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور دوسرے

والاحزاب من بعدھم وھمت	گروہوں نے بھی جو کہ ان کے بعد ہوئے
کل امۃ برسولھم لیاخذ وہ	جھٹلایا تھا اور ہر امت نے اپنے پیغمبر کے
وجٰد لوا بالباطل لید حضوا	گرفتار کرنے کا ارادہ کیا اور ناحق کے
بہ الحق (المؤمن، ع ۱)	جھگڑے نکالے، تاکہ اس ناحق سے حق کو

باطل کریں۔

ایک بار پھر آپؐ کی تشفی کے لئے آیا ہے، کہ آپ کو جو خطابات منکروں سے مل رہے ہیں۔ یہ سب پرانے پیمبروں کو بھی مل چکے ہیں

(۱۷) مایقال لک الا ما قد قیل	آپ کے لئے تو بس وہی کہا جاتا ہے جو آپ
للرسل من قبلک (حم السجدہ ع ۵)	کے پیشتر رسولوں کے لئے کہا جا چکا ہے

تمسخر و استہزاء سے استقبال تو ہر نبی کا ہوتا رہا ہے۔

(۱۸) ومایاتیھم من نبی الا کانوا	اور کوئی نبی ان کے پاس ایسا آیا ہی نہیں
بہ یستھزءون (الزخرف، ع ۱)	جس سے انھوں نے تمسخر نہ کیا ہو۔

ہر قوم کے مالدار لوگ، پیمبروں کے مقابلہ میں، اپنے دین آبائی کی نصرت و حمایت پر اڑے رہے۔

(۱۹) وکذلک ما ارسلنا من قبلک	اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی
فی قریۃ من نذیر الا قال مترفوھا	میں کوئی پیمبر نہیں بھیجا، کہ وہاں کے آسودہ
انا وجدنا اباءنا علی امۃ	حال لوگوں نے یہ نہ کہا ہو کہ ہم نے اپنے باپ
وانا علی اثرھم مقتدون	دادا کو ایک (خاص) مسلک پر پایا ہے اور ہم
... قالوا انا بما ارسلتم بہ	انھیں کے پیچھے چلے جا رہے ہیں ...

کافرون۔ (الزخرف، ع ۲) — اور بولے کہ ہم اس کو تو مانتے ہی نہیں جسے دے کر تمھیں بھیجا گیا ہے۔

اپنے پیمبروں کو ساحر یا مجنون قرار دینا، قدیم قوموں کا شعار شروع سے چلا آرہا ہے۔

(۲۰) کذالک ما اتی الذین من قبلھم من رسول الا قالوا ساحر او مجنون ؁ اتواصوا بہ بل ھم قوم طاغون۔ (الذاریات، ع ۳)

اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں ان کے پاس کوئی پیمبر ایسا نہیں آیا جس کو انھوں نے ساحر یا مجنون نہ کہا ہو، کیا اس کی ایک دوسرے کو وصیت یہ کرتے چلے آئے ہیں؟ نہیں بلکہ یہ لوگ ہی ہیں سرکش۔

تاریخی قومیں جتنی بھی ہوئی ہیں، سب ہی نے انبیاء وقت کی مخالفت و تکذیب کی ہے۔

(۲۱) کذبت قبلھم قوم نوح و اصحب الرس و ثمود ؁ و عاد و فرعون و اخوان لوط ؁ و اصحب الایکۃ و قوم تبع ؕ کل کذب الرسل۔ (قٓ، ع ۱)

اور ان لوگوں کے قبل قوم نوح اور اصحاب رس، اور ثمود اور عاد اور فرعون اور قوم لوط اور اصحاب ایکہ اور قوم تبع (سب ہی) پیمبروں کی تکذیب کر چکے ہیں۔

مشرکوں کی سمجھ میں یہ بات بھی کبھی نہ آئی، کہ کوئی بشر بشر ہو کر بھی رہنمائے بشر اور فرستادۂ الٰہی ہو سکتا ہے۔ اصل مقابلہ اپنے پیمبروں سے وہ اسی محاذ پر کرتے رہے۔ اور اسی کے انکار و تردید میں لگے رہے

(۲۲) ذالک بانہ کانت تاتیھم رسلھم بالبینت فقالوا ابشر یھدوننا فکفروا وتولوا (التغابن، ع ۱)

یہ اس لئے ہوا کہ ان (منکروں) کے پاس جب ان کے پیمبر نشانات لے کر آئے، تو یہ بولے کہ کیا ہماری ہدایت ایک بشر کرے گا؟ تو انھوں نے اس سے انکار کیا، اور روگرداں رہے۔

ایک مختصر جامع فقرے میں پیمبروں کی زبان سے ان تمام اذیتوں کی طرف اشارہ کرایا گیا ہے، جو معاندوں کے ہاتھ سے انھیں ہر دور میں پہنچتی رہی ہیں۔ ظالموں کو مخاطب کرکے ان صابر بزرگوں کی زبان سے ارشاد ہوا ہے۔

(۲۳) ولنصبرن علی ما اذیتمونا (ابراہیم ع ۱)

(۱) ہم تو صبر ہی کریں گے اس ایذا پر جو تم ہمیں پہنچاتے رہے ہو۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ منکروں نے اپنے اپنے پیمبروں کو قتل و ہلاک تک کر ڈالا ہے، خود اپنے ہی قانون و ضابطہ کو توڑ کر۔ قرآن مجید نے یہ حکایت بار بار بیان کی ہے۔ خصوصًا قوم اسرائیل کے سلسلہ میں۔

اس قوم کی مسلسل بدکرداریوں اور نافرمانیوں کی تاریخ کے سلسلے میں ایک بار نہیں کئی بار برائے نام لفظی اختلاف کے ساتھ یاد دلایا گیا ہے کہ

(۲۴) ویقتلون النبیین بغیر الحق (البقرۃ ع ۷)

(۲۵) ویقتلون النبیین بغیر حق (آل عمران ع ۳)

وہ اپنے پیمبروں کو (خود اپنے معیار سے بھی) ناحق و بے قصور قتل کرتے رہے ہیں۔

(۲۶) ویقتلون الانبیآء بغیر حق (آل عمران، ع ۱۲) — وہ اپنے پیمبروں کو خود اپنے معیار سے بھی) ناحق، (بے قصور قتل کرتے رہے ہیں۔

(۲۷) وقتلھم الانبیآء بغیر حق (النساء، ع ۲۲)

اور کہیں بہ طور حجت الزامی کے اسرائیلیوں سے سوال کیا گیا ہے اگر تم نبوت کے قائل ہو

(۲۸) فلم تقتلون انبیاء اللّٰہ (البقرۃ ع ۱۱) — تو آخر انبیاء الٰہی کو قتل کیسے کرتے رہے ہیں۔

اور کبھی اس صورت میں کہ

(۲۹) ففریقاً کذبتم وفریقاً تقتلون۔ (البقرۃ ع ۱) — پیمبروں کے ایک گروہ کی تم نے تکذیب کی اور ایک گروہ کو تو قتل ہی کر ڈالا۔

مجموعی طور پر گروہ انبیاء کو مخالفت وعداوت کا جس طرح ہدف بنے رہنا پڑا ہے، اس کا ذکر ہو چکا۔ اور اثبات مقصود کے لئے وہی بالکل کافی ہے۔ لیکن قرآن مجید میں تصریحات اس سے بھی بڑھ کر مذکور ہیں۔ اور متعدد پیمبروں کے نام لے لے کر اس ظلم وزیادتی کا ذکر آیا ہے، جو ان کی قوم والوں نے ان پر روا رکھی ہے۔

حضرت نوحؑ کی صریح تکذیب کی گئی،

(۳۰) فکذبوہ فانجینٰہ (الاعراف ع ۸)
(۳۱) فکذبوہ فنجینٰہ (یونس ع ۸) — (نوح) کو ان (کی قوم) نے جھٹلایا پھر ہم نے (نوح کو) نجات دے دی۔

اور ان کی قوم والوں نے رُو در رُو ان سے سخت گستاخانہ گفتگو کی،

(۳۲) فقال الملا الذین کفروا من قومہ ما نراک الا بشرا مثلنا وما نراک اتبعک الا الذین ھم اراذلنا بادی الرای وما نری لکم علینا من فضل بل نظنکم کذبین۔
(ہود - ع ۳)

ان کی قوم میں کافروں کے جو سردار تھے وہ (نوح سے) بولے کہ ہم تو تم کو بس اپنا ہی جیسا ایک انسان دیکھتے ہیں، اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہاری پیروی نہیں لوگوں نے کی ہے جو ہم میں بالکل رذیل ہیں اور وہ بھی بالکل سرسری۔ اور ہم تم لوگوں میں کوئی بات بھی اپنے سے زیادہ نہیں پاتے، اور ہم تو تم کو جھوٹا ہی سمجھتے ہیں

اور آخر میں انھوں نے آپ کو چیلنج بھی پورے گستاخانہ دم خم کے ساتھ دیا ہے۔

(۳۳) قالوا ینوح قد جدلتنا فاکثرت جدالنا فاتنا بما تعدنا ان کنت من الصدقین
(ہود، ع ۳)

وہ لوگ بولے کہ اے نوح تم ہم سے بحث کر چکے اور بحث بھی بہت کر چکے، سو وہ (عذاب) ہم پر لے آؤ، جس کی دھمکی ہم کو دیا کرتے ہو، اگر سچے ہو۔

حضرت نوحؑ نے خود بھی عاجز آ کر ان سے یہی کہا کہ اچھا تم کر گزرو، جو کچھ تمہارے بس میں ہو۔

(۳۴) یقوم ان کان کبر علیکم مقامی وتذکیری بایات اللہ فعلی اللہ توکلت فاجمعوا امرکم و شرکاءکم ثم لا یکن امرکم علیکم

اے میری قوم، اگر تم کو میرا رہنا اور احکام خداوندی کی نصیحت کرنا گراں گزرتا ہے۔ تو میرا تو اللہ ہی پر بھروسا ہے، سو تم اور تمہارے شریک اپنی تدبیر پختہ کر لیں، پھر وہ تدبیر تم میں

غمّۃ ثم اقضوا الیّ ولا تنظرون (یونس، ع ۸) — سے کسی، پر مخفی نہ رہے، پھر اسے میرے ساتھ کر گزرو، اور مجھے مہلت نہ دو۔

آپ پر ایمان، آپ کی قوم میں سے بس کچھ ہی لوگ لائے۔ باقی سب تکذیب و انکار ہی میں مبتلا رہے۔

(۳۵) وما اٰمن معہٗ الّا قلیل (ہود، ع ۴) — اور ان کے ساتھ کوئی بھی ایمان نہ لایا بجز تھوڑے سے آدمیوں کے۔

پھر جب آپ کو طوفان و سیلاب سے بچنے کے لیے کشتی بنانے کا حکم ہوا تو آپ کی قوم کے بڑے لوگ جب اُدھر سے گزرتے، تو اُلٹی آپ پر ہنسی کرتے۔

(۳۶) وکلّما مرّ علیہ ملأٌ من قومہٖ سخروا منہ (ایضاً) — اور جب کبھی ان کی قوم کے سرداران پر سے گزرتے، تو ان سے مسخرہ پن کرتے۔

آپ بہ حیثیت مجموعی، اپنی قوم کے ہاتھ سے سخت بلا میں مبتلا رہے بالآخر وہ سب بدکردار و مکذب غرق ہوئے، اور آپ کو گروہ مومنین کے ساتھ نجات حاصل ہوئی۔

(۳۷) فنجّینٰہ واھلہٗ من الکرب العظیم ونصرنٰہ من الذین کذّبوا باٰیٰتنا انھم کانوا قوم سوءٍ فاغرقنٰھم اجمعین (الانبیاء، ع ۶) — تو ہم نے نوح کو اور ان ساتھیوں کو بڑے دکھ سے نجات دی اور ہم نے ان کا انتقام لیا ایسے لوگوں سے لیا، جو ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے رہتے تھے۔ اور وہ بہت بُرے لوگ تھے سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔

قوم کے بڑے لوگوں نے عجب عجب سفیہانہ اعتراضات آپ کی ذات پر وارد کئے۔ اور اس کے آپس میں خوب چرچے کئے۔

(۳۸) فقال الملؤا الذین کفروا من قومہ ماھٰذا الا بشر مثلکم یرید ان یتفضل علیکم ولو شاء اللہ لانزل ملٰٓئکۃ ما سمعنا بھٰذا فی اٰبآئنا الاولین ان ھو الا رجل بہ جنۃ فتربصوا بہ حتی حین۔ (المومنون۔ ع۲)

ان کی قوم کے سرداروں میں سے جو کافر تھے، وہ بولے کہ یہ شخص اور ہو کیا بجز اس کے کہ تمہارا ہی سا ایک بشر ہے۔ چاہتا یہ ہے کہ تم سے برتر ہو کر رہے۔ اور اگر خدا کو واقعی منظور ہوتا، تو فرشتے ہی نہ اتارتا۔ ہم نے تو یہ بات (کبھی) اپنے اگلے بڑوں میں سنی نہیں۔ یہ تو بس ایک شخص ہے جس کو جنون ہو گیا ہے۔

اور آپ سے کھلم کھلا حقارت کے لہجہ میں کہا۔

(۳۹) قالوا انؤمن لک واتبعک الارذلون۔ (الشعراء ع۶)

کیا ہم ایمان لائیں تم پر، اور تمہارے ذلیل پیرووں پر؟

آپ کی قوم آپ کی پوری تکذیب، تفضیح و توہین پر تلی رہی۔

(۴۰) کذبت قبلھم قوم نوح فکذبوا عبدنا وقالوا مجنون وازدجر۔ (القمر ع۱)

ان لوگوں سے پہلے قوم نوح نے تکذیب کی، یعنی ہمارے بندۂ (خاص) کی تکذیب کی۔ اور کہا کہ یہ مجنون ہیں۔ اور (نوح کو) دھمکی دی گئی۔

آپ نے عمر طویل ترین پائی۔ اسی کے لحاظ سے آپ کو مدت تبلیغ بھی ملی۔ لیکن نتیجہ آپ کی ساری سعی و مشقت کا کچھ بھی نہ نکلا۔ گو آپ نے

کوئی دقیقہ خفیہ وعلانیہ تبلیغ کا اٹھا نہ رکھا۔

(۴۱) قال رب انی دعوت قومی لیلاً و نہاراً ہ فلم یزدھم دعآءی الا فراراً ہ وانی کلما دعوتھم لتغفر لھم جعلوا اصابعھم فی اذانھم واستغشوا ثیابھم واصروا واستکبروا استکباراً (نوح، ع ۱)

(نوح نے) عرض کی کہ اے میرے پروردگار میں نے اپنی قوم کو دعوت رات میں بھی دی اور دن کو بھی۔ لیکن میری دعوت پر وہ اور زیادہ ہی بھاگتے رہے اور جب میں نے انھیں دعوت دی تاکہ تو انھیں بخش دے، تو ان لوگوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں۔ اور اپنے کپڑے (اپنے اوپر) لپیٹ لئے اور اڑے رہے۔ اور بڑی ہی اپنی بڑائی جتائی!

یہ سرکش وشامت زدہ لوگ اپنے پیمبر سے برابر مقابلہ ہی کرتے گئے۔ اور آپ کو مجبوراً بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کرنا پڑا۔

(۴۲) رب انھم عصونی واتبعوا من لم یزدہ مالہ وولدہ الا خساراً ہ ومکروا مکراً کباراً (نوح۔ ع ۲)

کہ اے میرے پروردگار، ان لوگوں نے میری نافرمانی کی، اور پیروی ایسوں کی کرتے رہے جن کے مال اور اولاد نے انھیں اور نقصان پہنچایا۔ اور انھوں نے بڑی بڑی چالیں چل ڈالیں۔

پیمبروں کا حلم مثالی ومعیاری ہوتا ہے۔ لیکن ہر بشری قوت وصلاحیت کی طرح، حلم کی بھی ایک حد ونہایت ہوتی ہے۔ آخر جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ قوم کے گنڈے اور بدمعاش آپ کو آزار رسانی

دے کر آپ کا کام ہی تمام کر ڈالنے پر آ گئے۔ چنانچہ وہ لوگ۔

(۴۳) قالوا لئن لم تنتہ ینوح لتکونن من المرجومین (الشعراء ع ۶) — بولے کہ اے نوح اگر تم باز نہ آئے، تو ضرور ہی سنگسار کر دیئے جاؤ گے۔

تو مجبور و مضطر ہو کر آپ کو بھی ان کے حق میں دعائے بد کرنا پڑی

(۴۴) قال رب ان قومی کذبون فافتح بینی و بینہم فتحا (ایضاً) — (نوح نے) عرض کی کہ اے میرے پروردگار میری قوم مجھے جھٹلاتے ہی چلی جا رہی ہے تو تو میرے اور ان کے درمیان فیصلہ ہی کر دے

(۴۵) فدعا ربہ انی مغلوب فانتصر (القمر ع ۲) — (نوح نے) اپنے پروردگار سے دعا کی کہ میں درماندہ ہوں۔ تو تو ہی انتقام لے

(۴۶) قال رب انصرنی بما کذبون (المومنون ع ۲) — (نوح نے) عرض کی کہ اے میرے پروردگار، تو بدلہ لے، کہ یہ مجھے جھٹلاتے ہی جاتے ہیں،

(۴۷) ولا تزد الظلمین الا ضللا (نوح، ع ۲) — اے میرے پروردگار، ان نافرمانوں کی گمراہی اور بڑھا ہی دیجیو۔

(۴۸) وقال نوح رب لا تذر علی الارض من الکفرین دیارا (ایضاً) — نوح نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار ان کافروں میں سے ایک بھی زمین پر بسنے والا مت چھوڑیو

(۴۹) ولا تزد الظلمین الا تبارا (ایضاً) — اور ان نافرمانوں کی ہلاکت کو بڑھاتی دیجیو

نوحؑ کے بعد ایک قدیم ترین نبی جلیل حضرت ابراہیم خلیل ع گزرے ہیں آپؑ کی دعوت توحید کا جواب آپؑ کی قوم نے یہی دیا، کہ انہیں مار ڈالو، یا آگ میں جھونک دو۔

(۵۰) فما کان جواب قومہٖ الآ	ان کی قوم کا تو بس یہی جواب تھا کہ آپس
ان قالوا اقتلوہ او حرّقوہ	میں بولے کہ انھیں مار ڈالو یا انھیں
(العنکبوت، ع ۳)	(آگ میں) جلا دو۔

اور تو اور خود آپ کے والد بھی آپؑ کی جان کے لاگو ہو گئے، اور بولے تو یہ بولے۔

(۵۱) اراغبٌ انت عن اٰلھتی یا	اے ابراہیم! کیا تم میرے معبودوں سے پھرے
ابراھیم لئن لم تنتہ	ہوئے ہو؟ اگر تم باز نہ آئے تو میں تم پر پتھراؤ
لارجمنّک واھجرنی ملیّا	کر دوں گا۔ اور تم مجھ سے ہمیشہ ہمیش کے لئے
(مریم، ع ۳)	دور ہو۔

قوم نے بالآخر یہی طے کیا، کہ آپؑ کو جلتی آگ کی بھٹی میں ڈال دیا جائے کہ دیوتاؤں کی حمایت و نصرت کا یہی ایک طریق ہے۔ چنانچہ اس پر عمل بھی کیا۔ گو آپؑ کو اللہ نے اپنی قدرت سے محفوظ رکھا، اور منکرین اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

(۵۲) قالوا حرّقوہ وانصروا	وہ لوگ بولے کہ ان کو آگ میں جلا دو
اٰلھتکم ان کنتم فٰعلین قلنا	اور اپنے دیوتاؤں کا بدلہ لو اگر تمھیں
یانار کونی بردًا وّسلٰمًا علٰی	کچھ کرنا ہے۔ ہم نے حکم دیا اے آگ تو ٹھنڈی
ابراھیم۔ وارادوا بہٖ کیدًا	اور باعث سلامتی ہو جا ابراہیم کے حق میں
فجعلنٰھم الاخسرین۔	اور ان لوگوں نے ابراہیم کو گزند پہنچانا چاہا،
(الانبیاء، ع ۵)	تو ہم نے انھیں کو ناکام کر دیا۔

آپ کے بھتیجے لوطؑ ہی تھے۔ ان کا استقبال بھی حسبِ معمول تکذیب ہی سے ہوا۔

(۵۳) کذّبت قوم لوطٍ بالنّذر (القمر، ع ۲) — قوم لوط نے بھی ڈرانے والوں کی تکذیب کی۔

اور آپس میں یہ ٹھانی کہ انھیں شہر بدر کر دیا جائے۔

(۵۴) فما کان جواب قومہٖ الّا ان قالوا اخرجوا آل لوطٍ من قریتکم انّھم اناس یّتطھّرون۔ (النمل، ع ۴) — ان لوگوں کے پاس بس یہی جواب تھا کہ آپس میں کہنے لگے، کہ لوط والوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو۔ یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں۔

اور اپنے اس مطالبہ اخراج از وطن کو آپ کے سامنے پوری ڈھٹائی سے پیش کیا۔

(۵۵) قالوا لئن لّم تنتہ یٰلوط لتکوننّ من المخرجین (الشعرآء ع ۹) — وہ لوگ بولے کہ اے لوط اگر تم باز نہ آئے، تو ضرور تم جلا وطن ہو کر رہو گے۔

پیمبر کی عزت و تکریم کیا معنی، یہ لوگ آپؑ کی امت کے لوگ برابر آپ کی توہین و تفضیح پر تلے ہوئے تھے۔ چنانچہ ایک بار جب آپ کے ہاں کچھ مہمان خوش شکل لڑکوں کی صورت میں آئے، اور آپ کے اوباش صفت ہم قوم آپ کے پاس یلغار کر کے آئے۔ تو آپ نے اپنی زبان سے فرمایا بھی یہی:۔

(۵۶) قال انّ ھٰؤلآء ضیفی — آپ نے کہا کہ یہ تو میرے مہمان ہیں۔ تو تم

فلا تفضحون۔ واتقوا اللہ ولا　　مجھے فضیحت نہ کرو۔ اور اللہ سے ڈرو۔
تخزون۔ (الحجر، ع ۵)　　اور نہ مجھے رسوا نہ کرو۔

قدیم پیمبروں میں سے ایک حضرت ہودؑ ہوئے ہیں۔ جو قوم عاد کی طرف بھیجے گئے تھے آپ کی بھی دعوت کا جواب قوم کی طرف سے تکذیب اور گستاخانہ تکذیب کی صورت میں ملا۔ چنانچہ وہ بولے۔

(۵۷) انا لنرٰک فی سفاھۃ وانا لنظنک من الکاذبین (الاعراف ع ۹)　　ہم تو تم کو بے عقلی میں دیکھتے ہیں اور تم کو بیشک جھوٹوں میں سمجھتے ہیں۔

بلکہ وہ دیدہ دلیری سے بولے۔

(۵۸) فاتنا بما تعدنا ان کنت من الصٰدقین (الاعراف ع ۹ والاحقاف ع ۳)　　تو جس (عذاب) کی دھمکی دیتے ہو وہ لے آؤ نہ۔ اگر تم سچے ہو۔

اور جہل و جمود کی چٹان پر قدم جما کر یوں گویا ہوئے،

(۵۹) یاھود ما جئتنا ببینۃ و ما نحن بتارکی الھتنا عن قولک وما نحن بمومنین ۰ ان نقول الا اعترٰک بعض الھتنا بسوء۔ (ہود ع ۵)　　اے ہود تم ہمارے سامنے کوئی نشان تو لائے نہیں۔ ہم نہ تو تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں اور نہ ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں ہم تو یہی کہیں گے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے تم کو کسی خرابی میں مبتلا کر دیا ہے۔

اور اس سے بڑھ کر ڈھٹائی ملاحظہ ہو۔

(۶۰) قالوا سوآءٌ علینا اوعظت امر لم تکن من الواعظین ۰ ان ھٰذا الا خلق الاوّلین
(الشعراء ۰ ع ۷)

بولے کہ ہمارے لئے یکساں ہے. تم نصیحت کرو یا نہ کرو (ہم بہرحال سننے کے نہیں) یہ (نصیحت) تو بس اگلوں کی ایک (عام) عادت ہے۔

غرض یہ کہ یہ قوم برابر نافرمانی و سرکشی پر اڑی رہی۔

(۶۱) تلک عادٌ جحدوا بآیٰت ربّھم وعصوا رسلہٗ ۔
(ہود ۔ ع ۵)

یہ تھی (قوم) عاد جو اپنے پروردگار کی نشانیوں کا انکار کرتی گئی، اور اپنے رسولوں کی نافرمانی کرتی رہی۔

حضرت ہود کے بعد ہی دوسرے نبی بزرگ حضرت صالحؑ ہوئے ہیں جن کی مخاطب قوم ثمود تھی۔ آپ کا استقبال بھی ٹھیک ایسی ہی گستاخیوں سے ہوا۔

(۶۲) وعتوا عن امر ربّھم وقالو یٰصٰلح ائتنا بما تعدنا ان کنت من المرسلین ۔
(الاعراف ۰ ع ۱۰)

یہ لوگ اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی بھی کرتے رہے اور بولے کہ اے صالح جس (عذاب) کی دھمکی دیتے ہو وہ لے آؤ نہ اگر تم (واقعی) پیمبر ہو۔

پہلے بے یقینی اور استعجاب سے آپ کی دعوت کو سنا اور بولے تو یہ بولے کہ ہمیں تو اس کا یقین ہے وے نہیں۔

(۶۳) قالوا یٰصٰلح قد کنت فینا مرجوّا قبل ھٰذا اتنھٰنا ان نعبد ما یعبد اٰبآؤنا وانّنا

بولے، اے صالح تم تو اس کے قبل ہم میں بڑے ہونہار تھے۔ کیا تم ہم کو ان معبودوں کی عبادت سے روکتے ہو۔ جن کی عبادت

لفی شك مما تدعونا الیه مریب۔ (ہود۔ ع ۶)
ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں۔ اور جس دین کی طرف تم ہم کو بلا رہے ہو، ہم تو اس کی طرف سے بڑے شک اور تردد میں پڑے ہوئے ہیں

پھر گستاخانہ انکار میں اور ترقی ہی ہوتی گئی۔

(۶۴) قالوا انما انت من المسحرین ما انت الا بشر مثلنا فات بایة ان کنت من الصدقین (الشعراء ع ۸)
بولے کہ تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے۔ تم تو بس ہمارے ہی جیسے ایک بشر ہو۔ کوئی معجزہ لے کر آؤ اگر اپنے دعوے میں سچے ہو۔

ان کی گستاخیاں بڑھتی ہی چلی گئیں۔

(۶۵) قالوا اطیرنا بك و بمن معك (النمل۔ ع ۴)
بولے کہ ہم تو تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو منحوس ہی سمجھتے ہیں۔

اپنی والی چالیں طرح طرح کی اپنے پیمبر کے مقابلہ میں چلے۔ یہاں تک کہ خدائی تدبیر نے بالآخر ان کا قلع قمع کر دیا۔

(۶۶) ومکروا مکرا ومکرنا مکرا وھم لا یشعرون۔ (النمل۔ ع ۴)
اور وہ بھی ایک چال چلے۔ اور ہم بھی ایک چال چلے۔ ان کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی۔

پیمبر کے مقابلہ میں تکذیب کے ساتھ ساتھ ان کی زبان کی بدلگامی بھی انتہا کو پہنچ گئی

(۶۷) کذبت ثمود بالنذر
ثمود نے پیمبروں کی تکذیب کی اور بولے

فقالوا ابشرا منا واحدا نتبعه انا اذا لفی ضلل وسعر ءالقی الذکر علیه من بیننا بل هو کذاب اشر

(القمر، ع ۲)

کہ کیا ہم ایسے شخص کی پیروی کرنے لگیں جو ہماری ہی جنس کا آدمی ہے اور اکیلا ہے۔ ایسا ہوا تو ہم بڑی ہی غلطی اور جنون میں پڑ گئے۔ کیا ہم سب میں وحی بس اسی پر نازل ہوئی ہے؟ نہیں بلکہ یہ شخص بڑا جھوٹا اور شیخی باز ہے۔

آخر ایک اونٹنی بہ طور معجزہ کے ان کے سامنے لائی گئی۔ اس کی قدر انھوں نے یہ کی، کہ الٹا اسی کو ذبح کر ڈالا، اور اسی کے ساتھ اپنا خاتمہ بھی بلا لیا۔

(۶۸) کذبت ثمود بطغوٰها اذ انبعث اشقٰها فقال لهم رسول الله ناقة الله وسقیٰها فکذبوه فعقروها فدمدم علیهم ربهم بذنبهم فسوٰها

(الشمس)

قوم ثمود نے اپنی سرکشی کی بنا پر تکذیب کی، جبکہ اس قوم کا سب سے بڑا بدذات اٹھ کھڑا ہوا۔ اس پر اللہ کے پیغمبر نے ان سے کہا کہ یہ اللہ کی اونٹنی ہے۔ اور اس کے پانی پینے سے خبردار رہنا لیکن انھوں نے پیغمبر کو جھٹلایا، اور اس اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا تو ان کے پروردگار نے اس معصیت کے سبب ان پر ہلاکت نازل کی۔ اور اسے ان پر پھیلا دیا۔

ایک قدیم پیغمبر حضرت شعیبؑ ہوئے ہیں۔ جن کی بعثت مدین والوں کی طرف ہوئی تھی۔ آپ کی قوم بھی ویسی ہی منکر و مکذب و معاند نکلی

زعم: سنگبار کے ساتھ یہ لوگ بولے کہ ہم تمہاری ہستی ہی کیا سمجھتے ہیں تمہارے قبیلہ کا تھوڑا بہت لحاظ ہے، ورنہ ہم تو تمہیں سنگسار کر کے چھوڑتے

(۶۹) قالوا یشعیب ما نفقہ کثیرا مما تقول وانا لنرٰک فینا ضعیفا ولولا رھطک لرجمنٰک وما انت علینا بعزیز۔

(ہود، ع ۸)

وہ بولے کہ اے شعیب تمہاری کہی ہوئی باتیں بہت سی تو ہماری سمجھ میں آتی نہیں اور ہم تم کو اپنے درمیان میں کمزور دیکھ رہے ہیں۔ تمہارے کنبہ کا پاس نہ ہوتا تو ہم تو تم پر پتھراؤ کر چکے ہوتے اور تم کچھ ہم پر زبردست تو ہو نہیں۔

کبھی اس سنگساری کے علاوہ، دھمکی جلا وطنی کی بھی ملتی۔

(۷۰) لنخرجنک یشعیب والذین امنوا معک من قریتنا او لتعودن فی ملتنا۔

(الاعراف ع ۱۱)

اے شعیب، ہم تم کو اور تم پر ایمان لانے والے تمہارے ساتھیوں کو ہم اپنی بستی سے نکال کر رہیں گے، نہیں تو تم ہمارے مذہب کی طرف واپس آ جاؤ۔

اور کبھی یہ کہنے لگتے کہ تم اچھے خاصے سحر زدہ ہو، اور ہمارے ہی جیسے بس ایک بشر۔ اور اگر ایسے ہی بڑے سچے ہو۔ تو لاؤ۔ یہ کرو کہ آسمان ہمارے اوپر پھٹ پڑے۔

(۷۱) قالوا انما انت من المسحرین وما انت الا بشر مثلنا وان نظنک لمن الکذبین فاسقط

بولے کہ تم تو جادو کے مارے ہوئے ہو، اور بجز اس کے اور ہو کیا کہ ہم ہی جیسے ایک بشر ہو، ہم تو تمہیں جھوٹا ہی سمجھتے ہیں، اور

علینا کسفا من السماء ان کنت من الصٰدقین (الشعراء ع ۱۰) — اگر سچے ہو، تو ہمارے اوپر ایک ٹکڑا آسمان سے گرا کر دکھاؤ۔

غرض گستاخیوں، بدزبانیوں، بدسلوکیوں کا کوئی دقیقہ ایسا نہیں جو بزرگوں کے بزرگ پیمبروں کے حق میں نالائقوں نے اُٹھا رکھا ہو

حضرت موسیٰ کو سلسلۂ انبیا میں جو امتیاز خصوصی حاصل ہے، اس سے کون ناواقف ہے؟ لیکن آپ کی جو شدید مخالفت ہوئی ہے۔ وہ بھی ایک معلوم و معروف تاریخی حقیقت ہے۔ قرآن مجید نے بھی اُسے بڑی وضاحت و تکرار کے ساتھ بیان کیا ہے۔

آپؑ کو جس وقت منصب پیمبری تفویض ہو رہا ہے۔ اور معجزات عطا ہو رہے ہیں، آپ کی طبیعت اسی وقت کھٹکی۔ اور بجائے اس کے کہ آپ کو اپنے پیمبرانہ اقتدار پر زعم و اعتماد ہو جاتا، کہ رب جو کچھ بھی چاہوں گا، فرشتوں کے ذریعہ کراؤں گا، اُلٹے آپ نے بارگاہ باری میں عرض و معروض کرنا شروع کر دی۔

(۷۲) قال رب انی اخاف ان یکذبون (الشعراء ع ۲) — عرض کی کہ اے پروردگار، مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔

(۷۳) انی اخاف ان یکذبون (القصص ع ۴) — مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔

اور اسی تکذیب و مخالفت کے ڈر سے، نیز اپنی قابلیت تبلیغ میں کمی محسوس فرما کر آپ نے درخواست بہ طور اپنے رفیق کار کے اپنے بھائی

ہارون کی بھی پیمبری کے لئے پیش کر دی ۔

(۶۴) ویضیق صدری ولا ینطلق لسانی فارسل الیٰ ھٰرون (الشعرآء ، ع ۲) — میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے۔ اور میری زبان نہیں چلتی۔ تو تو ہارون کے پاس بھی وحی بھیج دے ۔

(۶۵) واخی ھٰرون ھو افصح منّی لسانًا فارسله معی ردءًا یصدقنی (القصص ع ۴) — میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ رواں ہے۔ تو تو ان کو بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ رسالت دیدے کہ وہ میری تصدیق کرتے رہیں

بلکہ آپ کو تو اندیشہ اس کا بھی تھا کہ وہ لوگ آپ کو ہلاک ہی کر دیں گے

(۶۶) قال رب انی قتلت منھم نفسًا فاخاف ان یقتلون ۔ (ایضًا) — عرض کی کہ اے میرے پروردگار میں نے ان میں سے ایک شخص کا خون کر دیا تھا سو مجھے اندیشہ ہے کہ یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے ۔

(۶۷) ولھم علی ذنب فاخاف ان یقتلون (الشعرآء ع ۲) — میرے ذمہ ان لوگوں کا ایک جرم بھی ہے سو مجھے اندیشہ ہے کہ یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔

بلکہ موسیٰ وہارون دونوں پیمبروں نے مل کر بھی یہی عرض کیا ہے ۔

(۶۸) قالا ربنا اننا نخاف ان یفرط علینا اوان یطغیٰ (طٰہٰ ۔ ع ۲) — دونوں نے عرض کی کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ فرعون ہم پر زیادتی کرنے یا یہ کہ وہ زیادہ شرارت کرنے لگے۔

بہت سے پیمبروں کے بعد جب حضرت موسیٰ وہارون کی بعثت قوم فرعون کی طرف ہوئی، تو ان سرکشوں نے بجائے قبول حق کے، ان کی

دعوت توحید کا جواب اسی طرح دیا، جیسے مشترک قومیں برابر دیتی چلی آئی ہیں۔

(۷۹) ثم بعثنا من بعدھم موسیٰ وھٰرون الیٰ فرعون وملاءیہ بایتنا فاستکبروا وکانوا قوماً مجرمین (یونس، ع ۸)

ان (پیمبروں) کے بعد ہم نے موسیٰ و ہارون کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا تو ان لوگوں نے اکڑ کا اظہار کیا اور یہ لوگ تھے ہی مجرم۔

ان فرعونیوں نے بجائے برکت کے الٹا نحوست کا الزام ان مقدس ہستیوں پر لگا دیا۔

(۸۰) وان تصبھم سیئۃ یطیروا بموسیٰ ومن معہ (الاعراف، ع ۱۶)

اور انھیں جب کوئی بد حالی پیش آجاتی تو نحوست موسیٰ اور اُن کے ساتھیوں کی بتلاتے۔

اور حضرت موسیٰؑ سے صاف صاف کہہ دیا کہ تم چاہے جیسے عجائب ظاہر کرو، ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں۔ اور ان عجائب کو وہ سحر کاری کا ثمرہ تو سمجھتے ہی تھے۔

(۸۱) وقالوا مھما تأتنا بہ من اٰیۃ لتسحرنا بھا فما نحن لک بمؤمنین۔ (ایضاً)

وہ بولے کہ تم کیسا ہی اعجوبہ ہمارے سامنے لاؤ جس کے ذریعہ اپنا جادو ہم پر چلاؤ، ہم تم پر ایمان لانے کے نہیں۔

اور فرعون کو تو یہ کہہ دینے میں ذرا تامل نہ ہوا، کہ تم تو جادو زدہ ہو۔

(۸۲) فقال لہٗ فرعون انی لاظنک

فرعون نے اُن سے کہا کہ اے موسیٰ میں تو ہی

یموسیٰ مسحوراً (بنی اسرائیل ع ۱۲) سمجھتا ہوں کہ تم جادو زدہ ہو۔

اور اس نے منصوبے اس کے باندھے کہ ساری قوم اسرائیل کو ہم شمول اُن کے پیمبر حضرت موسیٰ کے اپنے ملک سے باہر نکال دے۔

(۸۳) فاراد ان یستفزھم من الارض (۱۱ ایضاً) — (فرعون نے) چاہا کہ ان لوگوں کے قدم اس سرزمین سے اکھاڑ دے۔

آپ کے ہاتھوں خوارق، معجزات سب کچھ صادر ہوتے رہے فرعون کی طرف سے تکذیب و انکار ہی جاری رہا۔ اور وہ اپنی اسی رائے پر مُصر رہا کہ کیسا حق و پیام حق، موسیٰ سحر کے زور سے میری حکومت اکھاڑنے ہی کو آئے ہیں۔

(۸۴) ولقد اریناہ اٰیٰتنا کلھا فکذب وابیٰ قال اجئتنا لتخرجنا من ارضنا بسحرک یموسیٰ (طٰہٰ، ع ۳) — اور ہم نے فرعون کو اپنی سب ہی نشانیاں دکھا ڈالیں لیکن وہ جھٹلاتا ہی رہا۔ اور انکار ہی کرتا رہا۔ اور بولا کہ اے موسیٰ تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے ملک سے جادو کر کے نکال دو۔

فرعونیوں نے آپس میں ٹھہرائی تو بس یہی کہ موسیٰ وہارون دونوں جادوگر ہیں۔ اور یہی چاہتے ہیں کہ ہمیں ہمارے ملک سے بے دخل کر ہی دیں اپنے جادو کے زور سے۔

(۸۵) قالوآ ان ھٰذٰن لسٰحران یریدان ان یخرجٰکم من — بولے کہ بیشک یہ دونوں جادوگر ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنے جادو سے تم کو تمہاری

ارضکم بسحرھما ویذھبا بطریقتکم المثلیٰ (ایضاً) — سر زمین سے نکال دیں اور تمھارے اچھے طور طریقے مٹا ہی کر رہیں۔

اپنی قوت و اقتدار کے گھمنڈ میں فرعون نے ہر سُنی ان سنی کر دی اور پیمبر برحق کو سحر زدہ یا جنون زدہ ہی کہتا رہا۔

(۸۶) فتولیٰ برکنہ وقال سحر او مجنون (الذاریات، ع ۲) — فرعون اپنی قوت (کے زعم) میں ان سے پھر گیا، اور بولا کہ (موسیٰ) یا ساحر ہیں یا مجنون۔

غرض یہ کہ اس نے رسول برحق کی ہر طرح مخالفت ہی کی۔

(۸۷) فعصیٰ فرعون الرسول (المزمل ع ۱) — غرض فرعون نے رسول کی نافرمانی ہی کی۔

اور آپ کی بات کی تصدیق کرنا کیا معنی، اُلٹے اس نے آپؑ کو ناشکرگزاری کے طعنے دیئے۔

(۸۸) قال الم نربک فینا ولیدا ولبثت فینا من عمرک سنین وفعلت فعلتک التی فعلت وانت من الکافرین۔ (الشعراء، ع ۲) — وہ بولا کہ کیا ہم نے تم کو اپنے ہاں پرورش نہیں کیا، اور تم اپنی عمر میں برسوں ہمارے درمیان رہا سہا نہیں کئے اور تم نے وہ حرکت بھی کی جو کی تھی۔ اور تم بڑے ناشکرے ہو۔

آپؑ کی تقریر توحید اس نے اپنے درباریوں کو سنوائی۔ اور طنز سے کہا کہ ذرا ان کی سنو!

(۸۹) قال لمن حولہ الا تستمعون (ایضاً)	اپنے گرد و پیش والوں سے بولا کہ تم (ان کی) سُنتے ہو؟

اور ان لوگوں کے سامنے بھی اپنی تشخیص، جنون موسوی کو دُہرایا۔

(۹۰) قال ان رسولکم الذی ارسل الیکم لمجنون (ایضاً)	وہ کہنے لگا کہ یہ تمہارے رسول جو تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ مجنون ہیں۔

اور پھر پلٹ کر حضرت موسیٰ سے بولا کہ خبردار، جو تم نے میرے سوا کسی اور کو اپنا معبود بنایا، تو تمھیں جیل ہی میں بند کر دوں گا۔

(۹۱) قال لئن اتخذت الٰھا غیری لاجعلنک من المسجونین۔ (الشعراء، ع۲)	بولا، کہ اگر تم نے میرے سوا کسی کو معبود بنایا، تو میں تمھیں جیل ہی بھیج دوں گا۔

اور جب آپؑ نے اس کی فرمائش پر عصا اور ید بیضا کے معجزے بھی دکھا دیئے، جب تو اس کو آپ کے ماہر فن سحر ہونے کی جیسے ایک اور دلیل ہاتھ آ گئی۔ اور اپنے درباریوں سے مشورہ کرنے لگا کہ اب کیا کاروائی عمل میں لائی جا سکے۔

(۹۲) قال للملاِ حولہٗ انّ ھذا لسٰحر علیم یّرید ان یخرجکم من ارضکم بسحرہٖ فماذا تامرون (الشعراء، ع۳)	اپنے گرد و پیش کے درباریوں سے کہا کہ ہو، یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے۔ چاہتا یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے ملک سے نکال ہی دے۔ تو اب بتاؤ تمہارا مشورہ کیا ہے؟

اور ایسا فرعون کیا معنی، سارے فرعونیوں کی یہاں تشخیص یہی، کہ پیام موسوی کسی گہرے سحر ہی کا نتیجہ ہے۔

(۹۳) قالوا ما ھذا الا سحر مفتری — وہ لوگ بولے کہ یہ تو بس گڑھا ہوا سحر ہی ہے

وما سمعنا بھذا فی اٰبائنا — اور ہم نے (آج تک) اپنے باپ دادا سے

الاولین (القصص، ع ۴) — تو کبھی یہ سنا نہیں۔

آخر طے یہ پایا کہ دعوت موسوی سے مقابلے کے لئے وقت کے سب سے زیادہ مؤثر حربے کو کام میں لایا جائے۔ یعنی ماہران فن سحر کی مڈبھیڑ ان پیمبران برحق سے کرادی جائے۔ اور فرعون نے اس کا انتظام شروع کیا۔

(۹۴) فتولّٰی فرعون فجمع کیدہٗ — پھر فرعون پلٹا، پھر اپنی چال کا سامان

ثمّ اتٰی (طٰہٰ، ع ۳) — درست کرنا شروع کیا، پھر آیا،

آپس میں یہ لوگ بولے، کہ بس اب یہ معرکہ سر کرلو۔

(۹۵) فاجمعوا کیدکم ثمّ ائتوا — اب مل جل کر اپنی تدبیر کا انتظام کرو،

صفًّا وقد افلح الیوم من استعلٰی — اور صف بستہ ہوکر آؤ۔ اور آج بھلا اسی

(طٰہٰ، ع ۳) — کا ہوگا، جو غالب رہے گا۔

پیمبر برحق نشان پر نشان دکھاتے رہے، لیکن فرعون برابر انکار سرکشی دا ستکبار، اور اپنے دعوی ربوبیت پر اڑا رہا۔ اور موسی سے مقابلے کا پورا سامان کئے گیا۔

(۹۶) فاراہ الاٰیۃ الکبرٰی — پھر موسیٰ نے) اسے بڑی نشانی دکھائی، تو

فکذب وعصی ثم ادبر یسعی — بھی وہ جھٹلاتا اور نافرمانی کرتا رہا۔ پھر
فحشر فنادی فقال انا ربکم — وہ کوشش کرتا ہوا پھر گیا، پھر اس نے
الاعلی — (لوگوں کو) جمع کیا، اور پکار کر، اور کہا کہ میں

(النازعات، ع ۱) — تمہارا بڑا پروردگار ہوں۔

اہل دربار نے مشورہ دیا کہ ان دونوں بھائیوں کو کچھ دن کے لئے ٹالے رکھیئے اور اس درمیان میں پیادوں کو بھیجکر مملکت بھر سے ماہرین فن سحر کو ان سے مقابلے کے لئے بلا بھیجیئے۔

(۴۹) قالوا ارجہ واخاہ وابعث — (کہیں) اور ان کے بھائی کو مہلت دیجئے
فی المدائن حشرین یاتوک — اور شہروں میں پیادے بھیج دیجئے کہ وہ
بکل سحار علیم — سب ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس

(الشعراء، ع ۲) — لا حاضر کریں۔

جادوگروں کی ٹولی اکٹھی ہوئی۔ میدان ہوا گیا۔ مقابلہ میں ساحروں کو شکست فاش اور حضرت موسیٰ کو فتح مبین حاصل ہوئی۔ جادوگر ہار مان کر موسیٰ کے قدموں پر گر پڑے اور توحید کے قائل ہو گئے۔ فرعون اس پر بھی اپنی اسی ضد پر قائم رہا۔ اور جادوگروں کو مخاطب کر کے بولا کہ تم تو موسیٰ سے ملے ہوئے ہو، اور انہیں کے چیلے ہو۔

(۸۹) امنتم لہ قبل ان — تم موسیٰ پر ایمان لے آئے قبل اس کے میں
اذن لکم انہ لکبیرکم الذی — تمہیں اجازت دوں، بیشک یہ تم سب کا
علمکم السحر فلسوف تعلمون — گرو ہے، جس نے تم کو جادو کی تعلیم دی ہے

(الشعراء، ع ۳) سو تمھیں ابھی مزا معلوم ہوا جاتا ہے،

اس معرکہ موسیٰ و اہل سحر کے علاوہ بھی شہنشاہ مصر و مظہر خدا، فرعون نے ہر طرح اپنے غیظ و غضب کا مظاہرہ داعیان حق پہ کیا

(۹۹) فارسل فرعون فی المدائن حاشرین ان ھؤلاء لشرذمۃ قلیلون وانھم لنا لغائظون (الشعراء، ع ۴) پھر فرعون نے شہروں میں پیادے دوڑائے کہ یہ لوگ (موسیٰ کی جماعت والے) ایک چھوٹی سی ٹولی ہیں۔ انھوں نے ہمیں بہت ہی غصہ دلایا ہے۔

طرح طرح کے دوسرے ظلم و ستم ان پر توڑنے شروع کئے۔ یہاں تک کہ اصحاب موسیٰ کو یہ مناجات اپنے حق میں کرنا پڑی۔

(۱۰۰) ربنا لا تجعلنا فتنۃ للقوم الظالمین ونجنا برحمتک من القوم الکافرین (یونس، ع ۹) اے ہمارے پروردگار ہم کو ان ظالموں کا تختۂ مشق نہ بنا اور ہم کو اپنی رحمت کے صدقے میں ان کافر لوگوں سے نجات دے۔

غرض ساری ہی تبلیغی جد و جہد کے بعد بھی حضرت موسیٰ کی بات کی کسی نے تصدیق نہ کی بجز ایک مٹھی بھر جماعت کے۔

(۱۰۱) فما آمن لموسیٰ الا ذریۃ من قومہ علیٰ خوف من فرعون وملائھم ان یفتنھم (ایضاً) تو موسیٰ پر ان کی قوم میں سے صرف تھوڑے قلیل آدمی ایمان لائے وہ بھی فرعون سے اور اپنے حکام سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں وہ انھیں آزار نہ پہنچائے۔

اور خود حضرت موسیٰؑ کو ہر طرح عاجز و مایوس ہو کر عذاب الیم کی بددعا فرعون اور فرعونیوں کے حق میں کرنا پڑی۔

(۱۰۲) وقال موسیٰ ربنا انك اتیت فرعون وملاٗہ زینۃ واموالاً فی الحیٰوۃ الدنیا ربنا لیضلوا عن سبیلك ربنا اطمس علیٰ اموالھم واشدد علیٰ قلوبھم فلا یؤمنوا حتیٰ یروا العذاب الالیم (ایضاً)

اور موسیٰ نے عرض کی کہ اے ہمارے پروردگار تو نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو سامان تجمل اور طرح طرح کے مال دنیوی زندگی میں دے رکھے ہیں اے ہمارے پروردگار، اسی واسطے دے رکھے ہیں کہ وہ تیری راہ سے گمراہ کرتے رہیں، اے ہمارے پروردگار ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے، تو یہ ایمان نہ لانے پائیں، یہاں تک کہ عذاب الیم کو دیکھ لیں۔

عام اور مستقل روش فرعونیوں کی حضرت موسیٰ کی دعوت کے ساتھ تمسخر ہی کی رہی۔ جب کسی عذاب الٰہی کی جھلک دیکھتے تو ذرا دیر کے لیے جھکتے اور حضرت موسیٰ کی خوشامد میں لگ جاتے لیکن جوں ہی وہ عذاب ٹل جاتا، اور گرفت خداوندی ڈھیلی ہو جاتی، تو پھر ان کی سرکشی پھر ابھر آتی اور اسی ڈھٹائی سے وہ پیمبر برحق کا مقابلہ کرنے لگتے۔

(۱۰۳) فلما جاءھم بایٰتنا اذا ھم منھا یضحکون وما نریھم من ایۃ الا ھی اکبر من اختھا واخذنٰھم بالعذاب لعلھم

جب موسیٰ ان کے (یعنی فرعون اور اس کے سرداروں کے) پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے، تو وہ لگے ان پر ہنسنے۔ اور ہم ان کو جو بھی نشانی دکھلاتے تھے۔ وہ دوسری

یرجعون وقالوا یایه الساحر ادع لنا ربك بما عهد عندك اننا لمهتدون فلما کشفنا عنهم العذاب اذا هم ینکثون (الزخرف، ع ۵)

نشانی سے بڑھ کر ہی ہوتی تھی، اور ہم نے ان کو عذاب کی گرفت میں لیا، تاکہ وہ باز آجائیں۔ وہ لوگ بولے کہ اے جادوگر ہمارے لئے اپنے پروردگار سے اس بات کی دعا کر جس کا اس نے تم سے وعدہ کر رکھا ہے ہم ضرور راہ پر آجائیں گے۔ پھر جب ہم نے ان سے وہ عذاب ہٹا دیا، اور جبھی انھوں نے عہد توڑ دیا۔

اور یہ صورت ایک بار نہیں، بار بار پیش آتی رہی۔

(۱۰۴) ولما وقع علیهم الرجز قالوا یموسی ادع لنا ربك بما عهد عندك لئن کشفت عنا الرجز لنؤمنن لك ولنرسلن معك بنی اسرآءیل فلما کشفنا عنهم الرجز الی اجل هم بلغوه اذا هم ینکثون۔ (الاعراف ع ۱۶)

اور جب ان پر عذاب واقع ہوتا تو کہنے لگتے کہ اے موسیٰ اپنے پروردگار سے ہمارے لئے اس بات کی دعا کر جس کا انھوں نے تم سے وعدہ کر رکھا ہے، اگر تم نے اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیا تو ہم ضرور تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی ضرور آپ کے ہمراہ کر دیں گے۔ پھر جب ہم اُن سے اس عذاب کو ایک خاص وقت تک کہ اس تک ان کو پہنچنا تھا ہٹا دیتے تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے۔

حضرت موسیٰ کی تحقیر تو فرعون کے دل میں بیٹھی ہوئی تھی ہی اس کو اس نے اپنی رعایا میں بھی پھیلایا۔ اپنی قوم کے سامنے یہ اعلان کیا کہ

(۱۰۵) ام انا خیر من ھذا الذی ھو مھین ولا یکاد یبین۔ (الزخرف، ع ۵)

بلکہ میں افضل ہوں اس شخص سے جو حقیر ہے اور قوت بیانیہ بھی نہیں رکھتا۔

سب کی رائے یہی ٹھہری کہ یہ داعئ حق تو کاذب ہے۔ بس اس پر ایمان لانے والوں کے لڑکوں کو تو ہلاک کر دو، اور عورتوں کو زندہ رہنے دو

(۱۰۶) فقالوا سحر کذاب فلما جاءھم بالحق من عندنا قالوا اقتلوا ابناء الذین آمنوا معہ واستحیوا نساءھم (المؤمن، ع ۳)

وہ لوگ بولے کہ یہ ساحر ہے، جھوٹا ہے۔ تو جب وہ ان لوگوں کے پاس دین حق ہماری طرف سے لے کر آئے۔ تو ان لوگوں نے کہا کہ جو شخص ان کے ساتھ ایمان لے آئے ہیں، ان کے بیٹوں کو ہلاک کر دو اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھو۔

سرداروں اور اہل دربار نے کہا کہ یہ موسیٰ اپنے ساتھیوں سمیت کب تک آزاد و پھرتا رہے گا اور سرکاری ریت اور حکومت کی توہین کرتا رہے گا۔ فرعون نے جواب میں وہی کہا کہ ہم ان لوگوں کی اولاد ذکور کو جیتا جی نہ چھوڑیں گے، آخر اقتدار ہمارا ہی ہے۔

(۱۰۷) وقال الملأ من قوم فرعون اتذر موسیٰ وقومہ لیفسدوا فی الارض ویذرک والھتک قال سنقتل ابناءھم ونستحیی

فرعون کے سرداروں نے کہا کہ کیا آپ موسیٰ اور ان کی قوم کو یوں ہی رہنے دیں گے کہ ملک میں فساد کرتے پھریں اور آپ کو اور آپ کے معبودوں کو ترک کئے رہیں (وغیرہ)

نسآءھم وانا فوقھم قٰھرون
(الاعراف، ع ۱۵)

کہا کہ نہیں، ہم ان کے بیٹوں کو ہلاک کرنا شروع کرتے ہیں۔ اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے اور ہمارا ہر طرح ان پر زور ہے

بلکہ اب خود حضرت موسیٰؑ فرعون کی نظر میں واجب القتل ٹھہر چکے تھے اس لئے کہ وہ (بہ قول اس کے) ملک میں فساد پھیلا رہے تھے اور نظام دین کو درہم برہم کر رہے تھے۔

(۱۰۸) وقال فرعون ذرونی اقتل موسیٰ ولیدع ربّہٗ انّی اخاف ان یّبدّل دینکم او ان یظھر فی الارض الفساد
(المومن، ع ۳)

اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑ دو، میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں گا مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تمھارے دین کو بگاڑ دے گا۔ یا ملک میں فساد کر دے گا۔

فرعون بالآخر اپنے کیفر کردار کو پہنچا اور سمندر میں اس کی غرقابی ہوئی، لیکن حضرت موسیٰ و ہارون دو دو پیمبروں سے اتنی شدید گستاخیوں اور بیہودگیوں کے بعد۔

اور خیر فرعون تو ایک بد دین اور اپنی خدائی کا مدّعی تھا، خود اپنی قوم بنی اسرائیل کی طرف سے حضرت موسیٰ کو جو کچھ پیش آیا۔ وہ ہر گز آپ کے مرتبۂ نبوت کے شایانِ احترام نہ تھا۔ آپ کہاں تو اسرائیلیوں کو فرعون کے تسلط سے نجات دلانے کی فکر میں مستغرق رہتے تھے۔ کہاں خود ان لوگوں نے، بجائے اظہار ممنونیت کے الٹی طعنہ زنی شروع کی

(۱۱۳) یٰموسیٰ انا لن ندخلھا ابداً ما داموا فیھا فاذھب انت و ربک فقاتلا انا ھٰھنا قٰعدون (ایضاً)

اے موسیٰ ہم ہرگز وہاں کبھی قدم نہ رکھیں گے جب تک کہ وہ لوگ وہاں موجود ہیں۔ تو تم اور تمہارے پروردگار صاحب وہاں جائیں اور ان سے لڑائی کریں ہم تو یہاں سے سرکتے نہیں۔

مسلسل نافرمانی و سرکشی کو دیکھ، آخر آپ کی زبان پر آیا۔

(۱۱۴) یٰقوم لم تؤذوننی وقد تعلمون انی رسول اللہ الیکم (الصف، ع ۱)

اے میری قوم والو، تم آخر مجھے کیوں ستاتے ہو، درآنحالیکہ خوب جانتے ہی ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول (ہو کر آیا) ہوں۔

اور مجبور ہو کر آپ کو یہ دعا کرنی پڑی۔

(۱۱۵) رب انی لا املک الا نفسی واخی فافرق بیننا وبین القوم الفٰسقین (المائدہ، ع ۴)

اے میرے پروردگار، میں بجز اپنی ذات اور اپنے بھائی کے اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا ہوں، تو تو ہی ہمارے اور ان بدکردار قوم کے درمیان فیصلہ کر دے۔

حدیہ ہے کہ آپ کی چند روزہ غیر حاضری کے زمانہ میں گوسالہ پرستی جیسے کھلے ہوئے شرک کے مرتکب ہوئے قرآن نے انھیں ان کی تاریخ کا یہ تاریک ترین دور یاد دلایا۔

(۱۱۶) واذ وٰعدنا موسیٰ اربعین لیلۃ ثم اتخذتم العجل من بعدہٖ وانتم ظٰلمون

وہ وقت یاد کرو، جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا پھر تم لوگوں نے ان کے پیچھے گوسالہ کو (بہ طور معبود) اختیار کر لیا

(البقرہ، ع ۶) (اور تم (اپنے حق میں) ظالم تھے۔

مشرکوں کو دیکھ کر، اپنے پیمبر کے ہوتے ساتے انھیں بھی شوق پیدا ہوگیا کہ کسی مورتی کی پوجا کریں۔ اور غضب کی ڈھٹائی یہ کہ اس کی فرمائش خود اپنے پیمبر تک سے کر بیٹھے۔

(۱۱۷) قالوا یٰموسیٰ اجعل لنا الٰھا کما لھم اٰلھۃ۔ — بولے کہ اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک دیوتا ایسا تجویز کر دو۔ جیسے کہ ان (مشرکوں) کے یہ دیوتا ہیں۔

(الاعراف، ع ۱۶)

آپ نے تو ظاہر ہے کہ ڈانٹ پھٹکار دیا۔ لیکن ادھر آپ عارضی طور پر ہٹے، کہ ادھر انھوں نے ایک گوسالے کی پوجا شروع ہی کر دی۔

(۱۱۸) واتخذ قوم موسیٰ من بعدہٖ من حُلیھم عجلاً جسدً الہٗ خوار — اور موسیٰ کی قوم نے ان کے پیچھے پیچھے ایک گوسالے کو (معبود) ٹھہرالیا، جو ایک قالب تھا، جس میں ایک آواز تھی۔

(الاعراف، ع ۱۸)

حضرت ہارون۔ جو آپ کی قائم مقامی کر رہے تھے، اپنی والی سمجھاتے رہے۔ کہ یہ کیا غضب کر رہے ہو۔

(۱۱۹) یٰقوم انما فتنتم بہٖ وان ربکم الرحمٰن فاتبعونی واطیعوا امری۔ — اے میری قوم والو، تم اس کے سبب گمراہی میں پھنس گئے ہو، تمہارا پروردگار تو رحمٰن ہے سو تم میری پیروی کرو۔ اور میرے حکم کی اطاعت کرو۔

(طٰہٰ، ع ۵)

وہ بھلا ان کی کیا سنتے۔ بولے تو یہ بولے۔

(۱۲۰) لن نبرح علیه عٰکفین حتّٰی یرجع الینا موسیٰ (طٰہٰ ع ۵)

ہم تو اس پر جمے بیٹھے رہیں گے۔ یہاں تک کہ موسیٰ ہمارے پاس واپس آجائیں۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ بدبختوں نے حضرت ہارونؑ کے ساتھ گستاخ و ستیوں میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ انھیں خود اپنی جان کے لالے پڑ گئے حضرت موسیٰؑ نے واپس آکر جب اُن سے مواخذہ کیا ہے تو بیچارہ نے بیان کیا کہ قوم تو میری دشمن بلکہ آمادہ قتل ہوگئی تھی۔

(۱۲۱) ابن اُمّ انّ القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی فلا تشمت بی الاعداء ولا تجعلنی مع القوم الظٰلمین۔

(الاعراف ع ۱۸)

اے میرے ماں جائے (بھائی) قوم نے تو مجھکو بے حقیقت سمجھ لیا، اور قریب تھا کہ مجھکو قتل ہی کر ڈالیں تو تم مجھ پر (ان) دشمنوں کو مت ہنسواؤ۔ اور نہ مجھکو ظالم لوگوں کے ذیل میں شمار کرو۔

قارون بھی مصری و قبطی نہ تھا۔ آپ کی قوم اسرائیل ہی کا ایک سرمایہ دار فرد تھا۔ لیکن اس نے بھی آپ کی شریعت سے سرتابی کی، اور قرآن نے اس کا عبرتناک انجام بیان کیا ہے۔

(۱۲۲) انّ قارون کان من قوم موسیٰ فبغیٰ علیھم (القصص ع ۸)

قارون موسیٰ کی برادری میں سے تھا سو اس نے ان لوگوں کے مقابلہ میں زیادتی اختیار کی

اور بھی طرح طرح کے الزامات آپؑ پر لگانے والے آپ ہی کے قوم والے تھے۔ آپ کی صفائی خود حق تعالیٰ نے پیش فرمائی۔ اور مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی کہ قوم موسیٰ کی ریس نہ کریں۔

(۱۲۳) یاایہا الذین امنوا لا تکونوا کالذین اذوا موسیٰ فبراہ اللہ مما قالوا (الاحزاب ع ۹)

اے ایمان والو، تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا، جنھوں نے موسیٰ کو اذیت دی۔ سو ان کو اللہ نے ان لوگوں کی تہمت سے بری ثابت کر دیا۔

سلسلۂ اسرائیلی کے خاتم الانبیاء حضرت عیسیٰ مسیحؑ ہوئے ہیں۔ آپ کی بھی قوم کے بڑے حصے نے آپ کی دعوت کا استقبال مخالفت ہی سے کیا، اور آپ کو اپنے رفیقوں معاونوں کے لئے پکار کرنا پڑی۔

(۱۲۴) کما قال عیسی ابن مریم للحواریین من انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ فامنت طآئفۃ من بنی اسرائیل وکفرت طآئفۃ (الصف ع ۲)

جیسا عیسیٰ بن مریم نے کہا، کہ اللہ کے لئے میرا کون مددگار ہوتا ہے۔ تو حواری بولے کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار۔ تو ایک گروہ بنی اسرائیل میں سے (آپ پر) ایمان لایا۔ اور ایک گروہ نے کفر اختیار کیا۔

یعنی انھیں حواریوں اور انصار اللہ کے سوا، باقی امت مخالفت شدید پر کمربستہ رہی، اور دشمنی کی آخری حد تک بھی پہنچ جانے سے نہ چوکی۔

(۱۲۵) فلما احس عیسیٰ منہم الکفر قال من انصاری الی اللہ ..... ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔ (آل عمران ع ۵)

جب عیسیٰ نے ان کی طرف سے انکار دیکھا تو بولے کہ تم میں کوئی ایسے بھی ہیں۔ جو میرے مددگار ہو جائیں اللہ کے واسطے ..... (غرض یہ مخالفین خوب) چالیں چلے اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر سے کام لیا، اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

اپنے خیال میں تو ان لوگوں نے آپ کو شہید ہی کر ڈالا تھا، اور اپنے اس کارنامہ کو فخر سے بیان کرتے تھے۔ اور حضرت کے نسب پہ گندہ حملہ اس پر مستزاد۔

(۱۲۶) و بکفرھم و قولھم علیٰ مریم بھتانا عظیما و قولھم انا قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ (النساء، ع ۲۲)	اور ان (اسرائیلیوں) کے کفر کے باعث اور حضرت مریمؑ پر ان کے بھاری بہتان رکھنے کے باعث۔ اور ان کے اس قول کے باعث کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم رسول اللہ کو مار ڈالا ہے

جب یہ سنت سارے انبیاء کی رہ چکی ہے، تو خاتم الانبیاء کے حق میں کیوں نہ پوری ہوتی۔ بلکہ آپؐ کے حق میں تو وہ اوروں سے بڑھ کر پوری ہوئی۔ یہ تنقیص تو مخاطبین کی عام تھی، کہ آپؐ (نعوذ باللہ) یہ کلام گڑھ کر لائے ہیں۔ قرآن مجید نے ان کے اس دعوے کو بار بار دہرایا ہے۔ گو رسول کے طرز

(۱۲۷) ام یقولون افترٰہ (یونس ع ۴)	کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں، کہ آپؐ نے اس (قرآن) کو گڑھ لیا ہے؟
(۱۲۸) " " (ہود ع ۲)	" " "
(۱۲۹) " " (السجدۃ ع ۱)	" " "
(۱۳۰) " " (الاحقاف ع ۱)	" " "

ہر طرح آپؐ کو امین و صادق جاننے کے باوجود دعویٰ اور

دھرتے سے کہتے، کہ

(۱۳۱) ان ھو الا رجل ن افتری علی اللہ کذبا وما نحن لہ بمومنین (المومنون، ع ۳)
یہ شخص اور ہے کیا۔ سوا اس کے کہ اس نے خدا پر ایک گڑھنت گڑھ لی۔ اور ہم اس پر ایمان لانے کے نہیں۔

اور پھر ترقی کرکے یہ بھی کہا، کہ ان کی اس گڑھنت میں شریک کچھ اور لوگ بھی ہیں۔

(۱۳۲) وقال الذین کفروا ان ھذا الا افک ن افترٰہ واعانہ علیہ قوم اخرون (الفرقان ع ۱)
جو لوگ کفر اختیار کئے ہوئے ہیں، بول اٹھے کہ یہ تو بس ایک گڑھنت انھوں نے گڑھ لی ہے اور اس میں ان کی مدد کچھ اور لوگوں نے کی ہے۔

اور اس میں نمک مرچ یہ بھی لگا دیا کہ یہ تو اگلوں کی داستانیں ہیں جو انھوں نے کسی سے لکھوالی ہیں، اور (وہ ان پر) صبح و شام پڑھ کر سُنادی جاتی ہیں۔

(۱۳۳) وقالوا اساطیر الاولین اکتتبھا فھی تملی علیہ بکرۃ واصیلا (الفرقان ع ۱)
اور یہ لوگ بولے کہ یہ تو اگلوں کی داستانیں ہیں جو انھوں نے لکھوالی ہیں اور وہ ان پر صبح و شام پڑھ دی جاتی ہیں۔

آگے تشخیص کی تفصیل میں اختلاف ہوتا۔ اکثر تو یہ کہتے کہ یہ اثر سحر کا ہے

(۱۳۴) فقال ان ھذا الا سحر یؤثر ان ھذا الا قول البشر (المدثر ع ۱)
(کافر نے) کہا کہ یہ تو وہی پرانا سحر چلا آرہا ہے اور یہ تو بس انسان ہی کا کلام ہے۔

اور اپنی عقل پر نازاں ہو کر کہتے کہ ہم سحر پر ایمان کیسے لے آئیں۔

(۱۳۵) ولمّا جآءھم الحق قالوا ھٰذا سحرٌ وّ انّا بہٖ کٰفرون۔ (الزخرف، ع ۳)

اور جب حق ان کے پاس آگیا، تو بولے کہ یہ تو سحر ہے، اور ہم اس کے منکر ہی ہیں۔

کھلی ہوئی آیتوں کے سننے کے بعد ان کی تعبیر سحر ہی سے کرتے۔

(۱۳۶) واذا تتلٰی علیھم اٰیٰتنا بیّنٰتٍ قال الّذین کفروا للحق لمّا جآءھم ھٰذا سحرٌ مّبین (الاحقاف، ع ۱)

اور جب انھیں ہماری کھلی ہوئی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جو لوگ کافر ہیں، وہ حق کے متعلق، جب وہ ان کے پاس آجاتا ہے کہتے ہیں: کہ یہ تو کھلا ہوا سحر ہے۔

(۱۳۷) وقالوا ما ھٰذآ الّآ افکٌ مّفترًی وقال الّذین کفروا للحق لمّا جآءھم ان ھٰذآ الّا سحرٌ مّبین (السبا، ع ۵)

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں ہے سوا اس کے کہ ایک گڑھی ہوئی گڑھنت ہے۔ اور جو کافر ہیں وہ حق کے متعلق کہتے ہیں، جب وہ اُن کے پاس آگیا کہ یہ تو کھلا ہوا سحر ہے۔

بلکہ بعض اس مفہوم کو اور زور و شدت سے بیان کرتے۔

(۱۳۸) وقال الکافرون ھٰذا سحرٌ کذّاب (صٓ۔ ع ۱)

اور کافر کہنے لگے کہ یہ تو بڑا جھوٹا ساحر ہے۔

اور آپس کی سرگوشیوں میں اپنی اس تشخیص کو بطور راز بیان کرتے۔

(۱۳۹) واسرّوا النجوی الّذین ظلموا ھل ھٰذآ الّا بشرٌ مّثلکم

اور یہ ظالم لوگ چپکے چپکے سرگوشی کرتے ہیں کہ یہ تو محض تم جیسے ایک بشر ہیں، تو کیا تم

افتاتون السحر وانتم تبصرون — (یہ) جانتے ہوئے بھی سحر کی بات سننے کو
(الانبیار، ع ۱) — جاؤ گے۔

(۱۴۰) واذ هم نجوی اذ یقول — جبکہ وہ سرگوشی (آپس میں) کرتے ہیں۔ اور
الظلمون ان تتبعون الا رجلا — جبکہ ظالم لوگ کہتے ہیں کہ تم تو بس ایک سحرزدہ
مسحورا (بنی اسرائیل ع ۵) — شخص کی پیروی کرتے ہو۔

سحر کے علاوہ ایک تشخیص شاعری اور جنون کی بھی تھی۔ کسی نے کہا۔ جنون زدہ ہیں، کسی نے کہا، نرے شاعر ہیں۔ تو کیا کسی شاعر کی خاطر ہم اپنے عقائد قدیم سے دست بردار ہو جائیں؟

(۱۴۱) ویقولون ائنا لتارکوا الهتنا — یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک
لشاعر مجنون (الصفت ع ۲) — شاعر جنون زدہ کی خاطر چھوڑ دیں۔

اور بعض کے ہاں کچھ اس قسم کی کھچڑی پکی ؛۔

(۱۴۲) قالوا اضغاث احلام بل — بولے کہ یہ پریشان خیالیاں ہیں نہیں بلکہ انھوں
افتراه بل هو شاعر فلیاتنا بایة — نے اس (کلام) کو گڑھ لیا ہے۔ نہیں بلکہ یہ تو
کما ارسل الاولون۔ — ایک شاعر ہیں۔ بس انہیں چاہیے کہ ہمارے
(الانبیار ع ۱) — پاس کوئی معجزہ لے کر آئیں، جیسا کہ پہلے
لوگ (معجزات کے ساتھ) رسول بنائے گئے تھے

جنون زدہ ہونے کا اتہام بھی صاف صاف لگا

(۱۴۳) وقد جاءهم رسول مبین — اور ان کے پاس کھول کر بیان کرنے والا رسول
ثم تولوا عنه وقالوا معلم مجنون — آیا۔ تو انھوں نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا،

(الدخان، ع ۱) اور بولے، اور بولے کہ یہ تو سکھایا پڑھایا ہے دیوانہ ہے۔

جواب میں خود پیمبر کی زبان سے کہلایا گیا، کہ ذرا سوچو تو، اور الگ الگ بھی اور مل جل کر بھی سوچو، کہ مجھ میں جنون کا کون سا شائبہ ہے۔

(۱۴۴) قل انما اعظکم بواحدۃ ان تقوموا للہ مثنٰی و فرادٰی ثم تتفکروا ما بصاحبکم من جنۃ (السبا، ع ۶)	آپ کہئے کہ اچھا میں ایک بات کی تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم دو دو اور ایک ایک اللہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ، پھر یہ سوچو کہ تمہارے رفیق (یعنی پیمبر) میں (کسی درجہ میں بھی) جنون نہیں۔

اور اس قسم کی جوابی آیتیں جو قرآن مجید میں آئی ہیں۔

(۱۴۵) ما ضل صاحبکم وما غوٰی (النجم ع ۱)	تمہارے (یہ) رفیق نہ بہکے نہ بھٹکے۔
(۱۴۶) افترٰی علی اللہ کذبًا ام بہ جنۃ (السبا ع ۱)	اس نے اللہ پر یا تو جھوٹ گڑھ لیا ہے یا اسے جنون ہے؟
(۱۴۷) ما صاحبکم بمجنون (التکویر)	تمہارے (یہ) رفیق (ذرا بھی) مجنون نہیں
(۱۴۸) وما انت بنعمۃ ربک بمجنون (القلم، ع ۱)	اور آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔
(۱۴۹) ولا بقول کاھن (الحاقۃ ع ۱)	اور (یہ) کلام کاہن کا نہیں۔

(۱۵۰) فما انت بنعمۃ ربک بکاھن ولا مجنون (الطور، ع ۱) — آپ اپنے رب کے فضل سے نہ کاہن ہی ہیں اور نہ مجنون۔

صاف اس پر دلالت کرتی ہیں، کہ آپ کو "ضال" "غوی" "مجنون" "کاہن" سب کچھ کہا گیا اور سمجھا گیا —— توہین، تحقیر، تفضیح کا کوئی درجہ اس کے بعد بھی باقی رہ جاتا ہے؟

اور مجنون تو آپ کو کھلم کھلا کہا گیا۔

(۱۵۱) ویقولون انہ لمجنون (القلم، ع ۲) — اور (آپ کے لئے یہ لوگ) کہتے ہیں کہ یہ یقیناً مجنون ہیں۔

(۱۵۲) وقالوا یایھا الذی نزل علیہ الذکر انک لمجنون (الحجر، ع ۱) — اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جس پر (اس کے خیال کے مطابق) قرآن اتارا گیا ہے تم تو ضرور ہی مجنون ہو۔

اور آپ کے لئے گڑھنے والے (مفتری) کا لقب تو عام تھا۔

(۱۵۳) قالوا انما انت مفتر (النحل ع ۱۱) — کہتے ہیں کہ تم تو بس مفتری ہی ہو۔

آپ کے پیام و دعوت پر حیرت سب کو تھی، اور آپ سے بڑھ کر دعوے توحید پر اظہار حیرت ہی کیا کرتے تھے۔

(۱۵۴) وعجبوا ان جآءھم منذر منھم (ص، ع ۱) — اس پر انھیں حیرت ہے کہ انہیں میں سے ایک ڈرانے والا پیدا ہو گیا۔

(۱۵۵) اجعل الالھۃ الھا واحدا — انھوں نے سارے خداؤں کو ایک

انّ ھٰذا لشیءٌ عجاب (ایضاً) — کر دیا، یہ بات تو بڑی ہی عجیب ہے۔

(۱۵۶) ما سمعنا بھٰذا فی الملّۃ — یہ بات پچھلے مذہب میں تو ہم نے سُنی نہیں

الاٰخرۃ ان ھٰذا الّا اختلاق (ایضاً) — یہ تو ایک نری گڑھی ہوئی چیز ہے۔

(۱۵۷) بل عجبوا ان جاءھم منذر منھم — انھیں اس پر حیرت ہے کہ انھیں میں سے

فقال الکٰفرون ھٰذا شیءٌ — ایک ڈرانے والا آیا، کافر کہتے ہیں کہ یہ

عجیب۔ (ق، ع ۱) — عجب بات ہے۔

غرض یہ کہ آپ کی رسالت پر انکار شدید، تحقیر و اہانت کے ساتھ ملا ہوا، سب صورتوں میں مشترک رہا۔

(۱۵۸) ویقول الّذین کفروا لست — کافر کہتے ہیں کہ تم رسول نہیں ہو۔

مرسلاً (الرعد، ع ۶)

اور آپؐ سے یہ لوگ لڑتے جھگڑتے رہتے۔

(۱۵۹) یجادلونک فی الحق — آپ سے یہ لوگ حق کے بارے میں جھگڑتے

(الانفال، ع ۱) — ہیں۔

انکار و تکذیب پر برابر قائم رہے،

(۱۶۰) ام لم یعرفوا رسولھم فھم — کیا یہ لوگ اپنے رسول سے (یعنی اُن کے

لہٗ منکرون (المؤمنون ع ۴) — خصوصیات سے) واقف نہ تھے، اور اس لئے

اُن کے منکر ہیں۔

آپؐ کا اعزاز و اکرام الگ رہا۔ آپ کے ساتھ تمسخر ان کا عام شیوہ تھا

(۱۶۱) واذا راٰک الّذین کفروا — جب آپ کو یہ کافر لوگ دیکھتے ہیں، تو بس

اِن یّتخذونک اِلّا ھُزُوا — آپ کو تمسخر ہی کا نشانہ بنا لیتے ہیں۔

(الانبیاء ع ۳)

طنز و تمسخر سے کہتے کہ کیا یہی حضرت ہیں جنھیں رسول بنا کر بھیجا گیا ہے

(۱۶۲) واذا راوک اِن یّتخذونک — اور جب آپ کو یہ دیکھتے ہیں تو بس تمسخر
اِلّا ھُزُوًا اَھٰذا الّذی — ہی کرنے لگتے ہیں، کہ یہی وہ ہیں، جنھیں اللہ
بعث اللہ رسولًا (الفرقان ع ۴) — نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟

اسی استہزاء عام کے مقابلہ میں آپؐ کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا۔

(۱۶۳) اِنّا کفینٰک المستھزءین — ان استہزا کرنے والوں سے ہم آپ کے
(الحجر ع ۶) — لئے کافی ہیں۔

بہرصورت آپ کو اذیت ہی پہنچاتے رہے۔

(۱۶۴) ذالک بانّھم شاقوا اللہ — یہ اس لئے ہوا کہ یہ لوگ تکلیف پہنچاتے رہے
ورسولہ (الانفال، ع ۲) — اللہ اور اس کے رسول کو۔

طنز و تعریض کے ساتھ کہتے کہ یہ کیسے رسول ہیں، جو بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں اور کھاتے پیتے بھی رہتے ہیں۔

(۱۶۵) قالوا مال ھٰذا الرسول — بولے کہ اس رسول کو یہ کیا ہو گیا ہے، کہ
یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق — کھانا کھاتا ہے۔ اور بازاروں میں چلتا
(الفرقان ع ۱) — ہے۔

اور چونکہ قرآن مجید کو تصنیف محمدی سمجھتے، قدرۃً آپ سے اس کی بھی فرمایش کرتے کہ فلاں قسم کے بجائے فلاں قسم کی آیتیں لائیے۔

(۱۶۶) واذا تتلی علیھم اٰیٰتنا بیّنٰت قال الذین لا یرجون لقاءنا ائت بقراٰن غیر ھذا او بدلہ۔ (یونس ع ۲)

اور جب ان پر ہماری کھلی ہوئی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو جن لوگوں کو ہماری ملاقات کا یقین ہی نہیں، وہ کہتے ہیں کہ کوئی دوسرا قرآن لے آؤ یا اسی میں تبدیلی کر دو۔

رسول کو جب کوئی خوشگوار واقعہ پیش آتا، تو یہ لوگ کڑھتے۔ اور جب آپؐ کو کوئی ناگوار ی پیش آتی، تو اس پر خوشی مناتے۔

(۱۶۷) ان تصبک حسنۃ تسؤھم وان تصبک مصیبۃ یقولوا قد اخذنا امرنا من قبل ویتولوا وھم فرحون (التوبۃ ع ۷)

اگر آپ کو کوئی خوشی پیش آتی ہے تو ان کو رنج ہوتا ہے۔ اور اگر آپ کو کوئی حادثہ آجاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی احتیاط اختیار کر لی تھی۔ اور خوش ہوتے چلے جاتے ہیں۔

آپ کے لئے بدتمیزی کے فقرے بھی استعمال کرتے رہتے۔

(۱۶۸) منھم الذین یؤذون النبی ویقولون ھو اذن (التوبۃ، ع ۸)

ان میں وہ لوگ بھی ہیں، جو پیغمبر کو ستاتے رہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں، کہ یہ کان کے کچے ہیں۔

اور بھی طرح طرح ستاتے۔

(۱۶۹) وان یکاد الذین کفروا لیزلقونک بابصارھم لما سمعوا الذکر (القلم ع ۲)

اور جو کافر ہیں، اور جب قرآن سنتے ہیں تو قریب ہوتا ہے کہ اپنی نظروں سے گھور گھور کر آپ کو جگہ سے ہٹا ہی دیں گے۔

آپؐ کی مجلس میں بیٹھتے بھی تو بات بڑی سبکی تو بھی سنتے

(۷۰) ومنهم من يستمع اليك حتى اذا خرجوا من عندك قالوا للذين اوتوا العلم ماذا قال آنفا (محمد ع ۲)

انہیں میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں لیکن جب وہ آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو جو اہل علم ہیں، ان سے پوچھتے ہیں کہ اس شخص نے ابھی کیا کہا تھا۔

اور فلاں فلاں مضمون کی آیتیں جب ہوتیں، تو یہ لوگ انتہائی خوف و حزن کے ساتھ آپ کی طرف دیکھتے اور ان کے چہروں پر مردنی چھا جاتی۔

(۷۱) رأيت الذين فى قلوبهم مرض ينظرون اليك نظر المغشى عليه من الموت (محمد ع ۳)

آپ ان لوگوں کو کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے، دیکھیں گے آپ کی طرف اس شخص کا دیکھنا دیکھتے ہیں، جس پر موت کے خوف سے بے ہوشی طاری ہو۔

مخرے کہتے کہ ہم پر تبلیغ کا اثر مطلق نہ ہوگا، ہمارے عقیدے ہمارے دلوں میں خوب راسخ ہیں۔

(۷۲) فاعرض اكثرهم فهم لا يسمعون وقالوا قلوبنا فى اكنة مما تدعونا اليه وفى اذاننا وقر ومن بيننا وبينك حجاب۔ (حم السجدہ ع ۱)

ان میں سے بہتوں نے منہ پھیر لیا پھر وہ سنتے ہی نہیں اور کہتے ہیں کہ تم جس بات کی طرف ہم کو بلاتے ہو، اس کی طرف سے ہمارے دل پردوں میں ہیں۔ اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے۔ اور ہمارے تمہارے درمیان ایک حجاب ہے۔

قرآن مجید نے جہاں ایسے سرکشوں ناہنجاروں کا انجام درج کیا ہے وہاں ان کا یہ جرم بھی تو بیان کر دیا ہے کہ یہ لوگ رسولؐ کی مخالفت کرتے رہے ہیں۔

(۱۷۳) ان الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ وشاقوا الرسول من بعد ما تبین لہم الھدی	جو لوگ کافر ہیں اور اللہ کے راستہ سے روکتے اور بعد اس کے کہ ہدایت ان پر واضح ہو چکی رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔۔۔۔
(محمد ع ۴)	

حوصلے اور ارادے یہ تھے کہ آپؐ کو جلاوطن کر کے رہیں۔

(۱۷۴) وان کادوا لیستفزونک من الارض لیخرجوک منہا	اور قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کے قدم اس سرزمین سے اکھاڑ دیں تاکہ آپ کو یہاں سے نکال دیں۔
(بنی اسرائیل ع ۸)	

اخراج اور قید کیا معنی، آپ کے قتل تک کے منصوبے تیار ہو چکے تھے

(۱۷۵) واذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک ویمکرون ویمکر اللہ	اور وہ وقت بھی یاد کیجئے جب یہ کافر لوگ آپ کی نسبت تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو مار ڈالیں یا آپ کو جلاوطن کر دیں اور وہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا
(الانفال ع ۴)	

جب آپ عبادت کے لئے کھڑے ہوتے، تو ان کا منصوبہ یہ ہوتا کہ وہ آپؐ پر ہجوم کر کے آپ کو جان ہی سے مار ڈالیں۔

(۱۷۶) وانہ لما قام عبد اللہ	اور جب اللہ کا بندہ (خاص) اس کی عبادت کو

یدعوہ کادوا یکونون علیہ لبدًا	ہوتاہے تو قریب ہوتا ہے کہ یہ لوگ اسؐ
(الجن، ۱۶)	ہجوم کر کے اس کو دا ہی) دیں۔

اور خیر مخالفین و معاندین کا تو ذکر ہی نہیں۔ خود آپؐ پر ایمان رکھنے والے سب کے سب ایسے نہ تھے، کہ ہر حال میں آپ کی ہدایات ہی پر عامل رہتے۔ بشریت ان میں سے بھی بعض پر کبھی کبھی غالب آ ہی جاتی۔ قرآن مجید ہی کی شہادت ہے۔

(۱۷) واذا راوا تجارۃً اولھوًا	یہ لوگ جب کسی تجارت یا تماشے کی چیز کو
انفضوا الیھا وترکوک قائما	دیکھ پاتے ہیں تو اُدھر دوڑنے کو بکھر جاتے ہیں
(الجمعۃ ۔ ع ۲)	اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں۔

اور ایک دوسرے پیمبر جلیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کی اُمت بنی اسرائیل نے جو جو بدتہذیبیاں اور گستاخیاں کی ہیں۔ ان کا ذکر ابھی چند صفحہ اُدھر اسی باب میں گزر چکا ہے۔

غرض خود پیرووں، مقتدیوں اُمتیوں کی طرف سے بھی یہ نہ تھا کہ پیمبر ہر موقع پر عملاً و حالاً مطاع و مقتدا ہی بنے رہتے۔ حضرات انبیاء کو تو علیٰ ان کے ظرف و مرتبہ کے مطابق۔ عام انسانوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر قدم قدم پہ درد اور دکھ سہنے پڑے ہیں۔

ختم شد

بشریت انبیاء

حضرات انبیاء کے مرتبہ بشریت کی تحقیق و تفصیل

قرآن مجید کی روشنی میں

از

عبدالماجد دریابادی

صب تفسیر القرآن (انگریزی و اردو) مصنف اعلام القرآن، جغرافیہ قرآنی وغیرہ

مدیر صدق جدید لکھنؤ

قیمت ۱۲؍